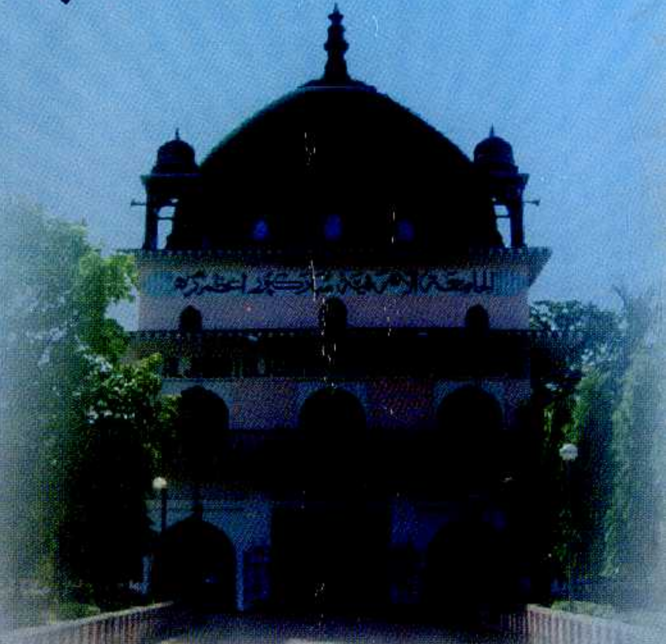
الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی وعلمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارکپور



فروری ۲۰۰۹ء



مبارک حسین مصباحی

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

۷۸۶

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ماہنامہ اشرفیہ

صفر ۱۴۳۰ھ

فروری ۲۰۰۹ء

جلد نمبر ۳۳ شمارہ ۱

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴	**THE ASHRAFIA MONTHLY** Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404	قیمت عام شمارہ: 15 روپے سالانہ: 150 روپے
چیک اور ڈرافٹ بنام **مدرسہ اشرفیہ** بنوائیں	کوڈ نمبر ———— 05462 دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149 الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092 دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122	سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ 500 روپے دیگر بیرونی ممالک 20 $ امریکی ڈالر 15€ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نگارشات

دفتری کاموں سے متعلق پیغامات/ شکایات نام اور مکمل پتے کے ساتھ موبائل نمبر 9935282870 پر SMS کریں۔ (ادارہ)

اداریہ

ہندستان میں دہشت گردی کا ذمہ دار کون

پاکستان، حکومت یا فرقہ پرست؟

مبارک حسین مصباحی

عالمی سطح پر ”اسلامی دہشت گردی“ کی اصطلاح کا موجد امریکہ ہے اور پھر اسرائیلی اور امریکی میڈیا نے اسے دنیا بھر میں مسلم قوم کا ہم معنی بنا کر پیش کیا ہے۔ اسی روش پر ہمارے ملک کی ہندتو میڈیا بھی چل پڑی اور پھر صورت حال یہ ہو گئی کہ جہاں کہیں بھی کوئی دہشت گردانہ حملہ ہوتا بلا کسی تحقیق و تفتیش کے مسلم تنظیموں کے نام سرفہرست ہوتے۔ کہیں حزب المجاہدین، کہیں لشکر طیبہ، کہیں انڈین مجاہدین۔ بلکہ حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ کہیں کسی داڑھی اور ٹوپی والے کو دیکھا تو اسے اسامہ بن لادن کہہ کر مخاطب کیا جانے لگا۔ یہ درا‌صل اسرائیل، امریکہ، ہندتو کی منظم سازش تھی کہ پہلے مسلمانوں کو ظالم اور دہشت گرد کہہ کر رسوا اور بدنام کیا جائے اور پھر اسی کو بہانہ بنا کر جتنا چاہو ان پر ظلم کرو۔ فلسطین، عراق، افغانستان اور ہندستان وغیرہ ممالک میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جس بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، اس پورے منظر نامے کے پیچھے ایک ہی فکر کار فرما ہے کہ کسی بھی طرح مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے، قرآن اور شریعتِ اسلامیہ کا مذاق اڑایا جائے، مساجد و مدارس کو دہشت گردی کے اڈے کہا جائے، مسلم تہذیب و ثقافت کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ آج کھلے عام مسلمانوں کو دہشت گردی کے نام پر ہراساں اور پریشان کیا جا رہا ہے۔ پولیس پورے طور پر جمہوری قانون سے آزاد ہے، جب چاہتی ہے کسی بھی مسلمان کو اپنی حراست میں لے لیتی ہے اور پھر جھوٹا اسلحہ دکھا کر اسے قید کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیتی ہے اور پھر ان مظلوم بے گناہوں کی آواز کوئی نہیں سنتا۔ کتنے ہی نوجوان برسوں سے قید و بند کی صعوبتوں کو جھیل رہے ہیں مگر اس جمہوری ملک میں ان کی دادرسی کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔

ابھی چند روز قبل اشوک سنگھل نے اپنے بیان میں ایک بار پھر یہ زہر اگلا ہے: ”مسلمان دہشت گرد ہیں اور دینی مدارس دہشت گردی کے اڈے ہیں۔“ اس نے مزید زہر افشانی کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ ”دینی مدارس کو نیست و نابود کر دیا جائے کیوں کہ ان میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے۔“ مگر افسوس ہماری حکومتیں اس قسم کے بیانات پر خاموش تماشائی بنی رہتی ہیں۔ کبھی اس قسم کے زہریلے بیانات کا کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا۔ حالاں کہ سچی بات یہ ہے کہ مساجد و مدارس سے ہمارے وطن کا امن و امان باقی ہے۔ مدارس میں ملک و وطن کے خلاف نہ کبھی اسٹرائک ہوتی ہے اور نہ کبھی دھرنا پردرشن۔ جب کہ کالجز اور یونیورسٹیز کے اسٹوڈینٹس آئے دن ملک مخالف ہنگامہ آرائیاں کرتے رہتے ہیں اور ملک و وطن کی سمپتی کو بھی نقصان پہنچاتے رہتے ہیں، ٹرینوں میں بھی بنا ٹکٹ چلنے کے عادی ہوتے ہیں، پولیس اور ٹی ٹی بھی ان سے چشم پوشی کرنے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔

امریکہ کے سابق صدر جارج بش نے عراق و افغانستان میں جس ننگی جارحیت اور دہشت گردی کا مظاہرہ کیا ہے، دنیا نے ایسے ظالمانہ مناظر کم ہی دیکھے ہوں گے۔ اس کا خاص نشانہ صدام حسین تھے۔ مگر عراق کے مرد آہن صدر صدام حسین نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک جس عزم و حوصلے کا مظاہرہ کیا تاریخ میں ایسی مثالیں کم ہی ملیں گی، وہ عزیمت و استقامت کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئے، مگر اسی عراق کی سرزمین پر بش کے منہ پر جوتے پڑے۔ اس ذلت و رسوائی کو بھی دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ جوتے پڑنے کا ذکر کیے بغیر بش کی زندگی کی کہانی ہمیشہ نامکمل رہے گی۔

اسرائیل و امریکہ کے نقش قدم پر ہمارا ملک بھی چل رہا ہے مسلمانوں کو نہ صرف دہشت گردی کے نام پر نشانہ ستم بنایا جا رہا ہے بلکہ، سماجی، اقتصادی اور تعلیمی اعتبار سے بھی ان کے ساتھ سوتیلا سلوک کیا جا رہا ہے۔ ان کی صنعت و حرفت کے ساتھ کھلواڑ کیا جا رہا ہے، ملازمتوں میں بھی ان کی تعداد کافی نیچے درجے پر ہے۔ مسلمانوں کے تعلق سے کئی کمیشن بیٹھے، رپورٹیں آئیں مگر آج تک کسی پر عمل درآمد

نہیں ہوا، ملک بھر کی ووٹر لسٹ میں بھی ان کے نام پچاس فی صد یا کہیں کہیں اس سے کچھ کم و بیش ہیں۔ اس طرف نہ حکومت کی کوئی توجہ ہے اور نہ مسلم سیاسی لیڈروں کی۔ یہ ایک انتہائی بنیادی اور حساس مسئلہ ہے۔ ہندستان میں ہماری آواز میں جو کچھ دم خم ہے وہ صرف ووٹروں کی وجہ سے ہے۔ مگر ہمارے حریف بڑی خاموشی کے ساتھ ہماری اس طاقت کو بھی ختم کرنے کے درپے ہیں۔ عام طور پر مسلم لیڈروں کو اپنی متعلقہ سیاسی پارٹیوں سے ہمدردی ہے نہ کہ مسلمانوں کے مسائل سے: ع ناطقہ سربہ گریباں ہے اسے کیا کہیے

ہم نے اب تک جو کچھ بھی لکھا یہ غیر اختیاری طور پر نوکِ قلم پر آ گیا۔ اس کی تفصیل ہم کسی اور موقع پر سپرد قلم کریں گے۔ ہمیں آج لکھنا یہ ہے کہ آج تک بڑے دھڑلے سے یہ کہا جا رہا تھا "ہم نہیں کہتے کہ سارے مسلمان دہشت گرد ہیں مگر جتنے دہشت گرد ہیں وہ سب مسلمان ضرور ہیں" مگر جب مالے گاؤں اور موڈاسا کی تحقیقات سامنے آئیں تو چہروں کا رنگ اتر گیا۔ ہندتو میڈیا کا لب ولہجہ بدل گیا۔ لال کرشن اڈوانی نے بھی اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ سارے ہندو دہشت گرد ہیں بلکہ عام طور پر متعصب میڈیا نے بھی یہ لکھنا اور بولنا شروع کر دیا کہ دہشت گردی کو کسی مذہب سے جوڑنا غلط ہے۔ ہیمنت کرکرے کی ٹیم کے ذریعہ جب مالیگاؤں کا سچ سامنے آیا اور ملک بھر میں ہوئے دہشت گردانہ حملوں کی پرتیں کھلنے لگیں تو بی. جے. پی.، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے خیموں میں کھلبلی مچ گئی اور جب ہندو دہشت گردوں کے نام طشت از بام ہوئے تو ان کی حمایت میں احتجاجی مظاہرے ہونے لگے، ان کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے سیاسی اور تنظیمی دباؤ پڑنے لگے۔ مگر افسوس حکومت نے ان دہشت گردوں کے حامیوں کے خلاف بھی کوئی موثر نوٹس نہیں لیا۔ کیا اس طرح واقعی ہماری حکومت دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی؟ کیا دہشت گردی کے خلاف جنگ کا یہی رویہ ہونا چاہیے؟ اس کے برخلاف اگر کبھی کسی مسلم دہشت گرد کو گرفتار کیا گیا تو اس کی حمایت میں نہ احتجاجی مظاہرے ہوئے اور نہ مسلم تنظیموں نے اسے برداشت کیا، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ مسلمان اگر ایسا کرتے تو انھیں بھی دہشت گردوں کی صف میں لا کھڑا کیا جاتا اور نہ جانے کیا کیا ان پر الزامات عائد ہوتے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے، ممبئی میں حکومت کے بقول جن پاکستانی مسلم دہشت گردوں کو مار گرایا گیا، مسلمانوں نے انھیں اپنے قبرستان تک میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دی۔ کیا دہشت گردی کی مخالفت میں ایسی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟

ہیمنت کرکرے اور ان کی انصاف پسند ٹیم جس جرأت مندی کے ساتھ دہشت گردوں کی تحقیق و تفتیش کر رہی تھی اور جو حیرت انگیز نتائج سامنے آ رہے تھے، اگر یہ سلسلہ مکمل ہو جاتا تو بہت ممکن تھا کہ ہندستان سے دہشت گردی کا خاتمہ ہو جاتا۔ مگر یہ ایک زمینی حقیقت ہے کہ دہشت گردی کی یہ البم یہیں ختم نہیں ہوتی۔ جو چہرے اب تک سامنے آئے تھے وہ تو آلۂ کار تھے۔ اصل دہشت گرد اور انھیں استعمال کرنے والے سفید پوشوں کے نام تو ابھی منظر عام پر آنا باقی تھے، اگر وہ بھیانک چہرے سامنے آ جاتے تو پورا ملک دہل جاتا اور باشندگانِ ہند کے قدموں کے نیچے سے زمین نکل جاتی۔ مگر جب ان نقاب پوشوں کو یہ یقین ہو گیا کہ اب ہمارے چہرے بے نقاب ہو ہی جائیں گے تو وہ دروازہ ہی ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا جہاں سے یہ سارے رازہائے سربستہ کھل سکتے تھے۔ تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اب کس کو اپنی جان سے دشمنی ہے جو شان ہند ہیمنت کرکرے کی ڈگر پر چلے۔ اس سب کے باوجود بھی شیو سینا لیڈر بال ٹھاکرے اپنی قوم کو دہشت گردی پھیلانے کے لیے اکسا رہے ہیں۔ بال ٹھاکرے نے اپنے ہی اخبار سامنا کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ "مالیگاؤں بم دھماکے کے پیچھے اگر ہندو دہشت گردوں کا ہاتھ ہے تو مجھے خوشی ہوگی۔ ہندوؤں میں بھی دہشت گرد پیدا ہونا چاہئیں۔" اس زہریلے بیان کے خلاف آج تک ہماری مرکزی حکومت نہ ایک لفظ بول سکی اور نہ اس دریدہ دہنی پر لگام لگانے کے لیے کوئی پیش قدمی کی۔ کیا ان حالات میں توقع کی جا سکتی ہے کہ ہماری حکومت ہندستان سے دہشت گردی کا خاتمہ کر دے گی؟ کیا یہ چشم پوشی دہشت گردی کی خاموش حمایت نہیں ہے؟

مگر ان حالات کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سارے ہندو تعصب پرست اور دہشت پسند ہیں۔ بلکہ دن کو دن اور رات کو رات کہنے والے حق پسند اور حق گو لوگوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ 26/ دسمبر کو فاربس انٹر کالج فیض آباد میں ایک جلسہ بہ عنوان "دہشت گردی اور موجودہ سیاست" ہوا، جس میں اجودھیا ہنومان گڑھی کے مہنت بھگوناتھ جی نے اپنے بیان میں بانگ دہل کہا:

جو لوگ کل تک کہتے تھے کہ دہشت گرد صرف مسلمان ہوتے ہیں، ان کی زبانیں اس وقت بند ہو گئیں، جب

مالیگاؤں کا سچ سامنے آیا اور سادھوی پرگیہ، کرنل پروہت اور شنکراچاریہ دیانند اس معاملے میں گرفتار کیے گئے۔ بی. جے. پی. کے لیڈروں اور اس کے صدر راج ناتھ سنگھ کی زبان اس وقت بند ہو گئی اور دہشت گردی سے متعلق ان کے لہجے میں تبدیلی آ گئی، جب مالیگاؤں بم دھماکے کی پرتیں کھلنے لگیں۔ مہنت جی نے دہشت گردی پر کئی سوال اٹھائے اور اس حوالے سے انھوں نے بابری مسجد کے انہدام کا بھی ذکر کیا۔ بجرنگ دل اور وشو ہندو پریشد کی فرقہ پرستی اور فساد بھڑکانے کو انھوں نے دہشت گردی سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ دہشت گردی کی جڑیں اعظم گڑھ کی سرزمین میں تلاش کرتے تھے، انھیں اب پتہ چل گیا کہ وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل میں اس کی بنیادیں ہیں۔ اشوک سنگھل اور توگڑیا اسی لیے فرقہ پرستی پھیلا رہے ہیں۔" (راشٹریہ سہارا 26/ دسمبر 2008ء)

جہاں تک ممبئی بم حادثے اور ہیمنت کرکرے اور ان کی ٹیم کے قتل کا سوال ہے، تو یہ حقیقت ابھی تحقیق طلب ہے کہ کرکرے کو منصفانہ تفتیش کے راستے سے ہٹانے والے کون لوگ ہیں۔ مرکزی حکومت، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل وغیرہ بانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ یہ سارے حملہ آور پاکستانی دہشت گرد ہیں۔ جو کچھ زندہ بچے ایک دہشت گرد عامر اجمل قصاب نے کہہ دیا اسی کو حرف آخر مان لیا۔ ہندستان کے سب سے بڑے شہر میں اتنا بڑا حادثہ ہوا، کئی سو لوگوں کی جان گئی، کروڑوں کا نقصان ہوا، مگر کسی کو اس کی تہ تک پہنچنے کی فکر کیوں نہیں اور جب تفتیش کرانے کے لیے آواز اٹھائی گئی تو بی. جے. پی. اور اس کی ہم نوا جماعتوں نے آسمان سر پر کیوں اٹھا لیا۔ یہ وطن پرستی ہے یا ملک کے ساتھ غداری کی علامت؟ —— ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہیمنت کرکرے جو کام کر رہے تھے، اس کی ضرب ہندوؤں پر پڑ رہی تھی، جو اب تک اپنے آپ کو دودھ کا دھلا کہہ رہے تھے، ان کے چہروں کی کالک بے نقاب ہو رہی تھی اور یہ بات بالکل پہلی بار کھل کر سامنے آئی تھی کہ ہندو بھی دہشت گرد ہیں۔ ان تحقیقات کے بعد بڑی حد تک مسلمانوں کے سر کا بوجھ ہلکا ہوا تھا، ورنہ اب تک "مسلم دہشت گردی" کا نام سنتے سنتے دماغ پک گیا تھا۔ حادثہ اور حملہ بعد میں ہوتا تھا، لشکر طیبہ، حزب المجاہدین، انڈین مجاہدین وغیرہ فرضی اور اصلی تحریکوں کا نام پہلے آ جاتا تھا اور پھر شروع ہو جاتا تھا مسلم نوجوانوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ اور نام نہاد مسلم دہشت گردوں کا فرضی انکاؤنٹر۔ دہشت گردانہ حملہ اجمیر میں ہو یا دہلی کی جامع مسجد میں۔ مالے گاؤں کے قبرستان میں ہو یا حیدرآباد کی مکہ مسجد میں، شہید ہونے والے بھی مسلمان ہوتے تھے اور دہشت گردی کے نام پر گرفتار ہونے والے بھی مسلمان ہوتے تھے۔ ایک معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی سوچ سکتا ہے کہ آخر ایک مسلمان ہی مسلمان پر حملہ کیوں کرے گا۔ چلیے عام لوگ ستر پردوں میں پوشیدہ اس راز کی آہٹ نہ پا سکے مگر ہمارے ملک کی خفیہ ایجنسیاں کہاں سوتی رہتی ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ہم کسی بھی واردات کے بارے میں چوبیس گھنٹے پہلے پتہ لگا لیتے ہیں۔ ہیمنت کرکرے کو مارنے والے پاکستانی دہشت گرد ہیں یا ملکی فرقہ پرست، اس کے پیچھے موساد کا ہاتھ ہے یا سی. آئی. اے. کا، اس سلسلے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ٹائمس آف انڈیا نے اردو اخبار کے حوالے سے لکھا ہے:

"نئی دہلی — سازشوں کے مختلف نظریوں کے ماحول میں ایک نیا نظریہ تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ اردو روزنامہ راشٹریہ سہارا نے ممبئی بم دھماکوں میں موساد اور سی آئی اے کا ہاتھ ہونے کا شک ظاہر کرتے ہوئے اس کی تحقیقات کرائے جانے کا مطالبہ کیا ہے۔ ممبئی کے حملے کو نائن الیون حملے سے جوڑتے ہوئے مدیر موصوف نے کہا جس دن نیویارک میں حملہ ہوا سارے یہودی چھٹی پر گئے ہوئے تھے، کیوں کہ ان کو اس کی اطلاع پہلے دے دی گئی تھی، اس لیے ان کا جانی نقصان سب سے کم ہوا۔ اس حملے کی سازش سی آئی اے اور موساد نے تیار کی تھی اور ممبئی بم حملے کی سازش بھی انھوں نے رچی ہے۔"

مرکزی وزیر برائے اقلیتی امور عبد الرحمٰن انتولے نے پارلیمنٹ میں یہ سوال اٹھایا کہ کرکرے اور ان کی ٹیم کے قاتلوں کی نئے سرے سے جانچ کرائی جائے، مگر افسوس بی. جے. پی. اور وشو ہندو پریشد وغیرہ نے ان کے خلاف سخت احتجاج کیا، ملک کا غدار اور پاکستان کا ہم نوا کہا، بلکہ استعفیٰ دینے تک کا مطالبہ کر ڈالا۔ مگر افسوس مرکزی حکومت خاموش تماشائی بنی رہی اور اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلم ممبران پارلیمنٹ کے بھی گلے خشک ہو گئے جو مسلم ووٹوں کی بنیاد پر پارلیمنٹ تک پہنچتے ہیں، جب کہ اس وقت ملک

دہشت گردی کے حوالے سے انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے۔ ہندو فرقہ پرست کھلے عام مسلمانوں کے خلاف محاذ کھولے ہوئے ہیں۔ ہندستانی پولیس مسلسل مسلمانوں کو ہراساں کر رہی ہے۔ بے گناہ مسلمانوں کے گھروں پر چھاپے پڑ رہے ہیں۔ مسلم نوجوانوں کو جہاں تہاں سے جھوٹے الزامات عائد کر کے اٹھایا جا رہا ہے۔ کیا اس مقام پر میں ایک سوال کر سکتا ہوں: کیا اس سلسلے میں اتر پردیش حکومت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے؟ اتر پردیش کے مسلمانوں کے مسیحا جناب ملائم سنگھ یادو کے منہ پر بھی تالا لگا ہوا ہے۔ کیا ان کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ الیکشن میں مسلمانوں کے ووٹوں پر قبضہ کریں اور وزارت عظمیٰ کی کرسی پر براجمان ہو جائیں؟ یہ کچھ اہم سوالات ہیں جن پر مسلمانوں کو سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا، ورنہ ہندستانی مسلمانوں کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔

ہاں تو گفتگو چل رہی تھی عبدالرحمٰن انتولے کے آواز اٹھانے کی۔ وہ ایک بے باک اور نڈر لیڈر رہیں۔ ہزار مخالفتوں کے بوجود وہ اپنی بات پر اٹل رہے۔ مرکزی حکومت دراصل بی جے پی وغیرہ سے خوف زدہ رہتی ہے، یا درونِ خانہ کوئی پیکٹ ہے کہ انتولے صاحب کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوگئی، مگر اتنا ضرور ہوا کہ ہندستانی مسلمان مرکزی حکومت کی درون خانہ پالیسی سے بخوبی واقف ہو گئے۔ اس الجھی ہوئی گتھی کو سلجھانے کے لیے سرکار نے نجات کا یہ راستہ نکالا کہ وزیر داخلہ چدمبرم کے ذریعہ انتولے کے سوال پر ایک وضاحتی بیان جاری کرایا، جو پارلیمنٹ میں زبردست شور شرابے کے درمیان وزیر داخلہ نے پڑھ کر سنایا۔ وزیر داخلہ نے اپنے بیان میں ممبئی حادثے کی مشہور تفصیل کو دُہراتے ہوئے انتولے صاحب کے جواب میں صرف اتنا کہا، بہ الفاظ دیگر لیپا پوتی کر کے معاملہ حسب روایت رفع دفع کر دیا، جس سے نہ سانپ مرا اور نہ لاٹھی ٹوٹی۔ وزیر داخلہ کے الفاظ یہ تھے:

"موت سے پہلے بھی شری کرکرے کے ذریعہ دہشت گردانہ معاملے میں کی جانے والی تفصیل کے بارے میں سوالات کھڑے کیے جا رہے تھے، ان کی موت کے بعد بھی ان کی موت سے متعلق حالات کے بارے میں سوالات کھڑے کیے جا رہے ہیں۔ میرے خیال میں یہ دونوں باتیں غلط ہیں اور قابلِ افسوس بھی۔"

وزیر داخلہ نے ہندستان بھر میں پھیلی ہوئی بے چینی کو دو لفظوں میں اس طرح ٹھنڈا کر دیا گویا یہ کوئی بات ہی نہیں تھی، حالاں کہ سیاسی طور پر غور کیا جائے تو کانگریس بی جے پی کے خلاف اسے ایک زبردست ایشو بنا سکتی تھی، دہشت گردی کے خلاف واویلا سب مچاتے ہیں مگر لگتا ہے دہشت گردی کا خاتمہ کوئی نہیں چاہتا۔ بڑی تیزی کے ساتھ دہشت گردوں کا نیٹ ورک گرفت میں آ رہا تھا، مگر ہیمنت کرکرے کی موت اور ممبئی حادثے کے بعد پورے ملک کا دماغ پاکستانی دہشت گردوں کے خلاف موڑ دیا گیا۔ اب نہ سادھوی پرگیہ کا نام آ رہا ہے اور نہ کرنل پروہت اور شنکر اچاریہ دیا نند کا۔

طاقت اور سیاست کے ہتھ کنڈوں سے سچائی کو چھپایا تو جا سکتا ہے مگر مٹایا نہیں جا سکتا۔ ہندستان کی سرزمین پر حق و انصاف کی آواز بلند کرنے والا پھر کوئی کرکرے پیدا ہوگا اور آج بھی ہندوؤں میں حق و انصاف کی آواز بلند کرنے والوں کی کمی نہیں۔ ہیمنت کرکرے کے ایک تعزیتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر سوامی اگنی ویش نے واضح طور پر کہا ہے:

"کرکرے نے مالیگاؤں بم دھماکے کی تفتیش ایک نئے زاویے سے کی تھی، اور اس واردات میں سادھوی پرگیہ سنگھ، کرنل پروہت، اور دیگر ہندو تنظیموں کے ملوث ہونے کا انکشاف کر کے اپنا فرض بخوبی ادا کیا، لیکن وہ دہشت گردوں کا شکار بن گئے۔ حالاں کہ ان کی موت سے قبل فرقہ پرست طاقتیں بھی ان کے خلاف محاذ کھولے ہوئے تھیں۔ مگر سچائی پر چلنے والے ہیمنت کرکرے، اشوک کامٹے اور دیگر افسرانِ وطن پر شہید ہو گئے۔ انھوں نے مزید کہا: آر ایس ایس، بجرنگ دل، اور وی ایچ پی پر پابندی عائد ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کی وطن پرستی پر شک کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ملک کی تقسیم کے وقت 80 فی صد مسلمانوں نے ہندستان میں رہنے کو ترجیح دی۔ کویتا کرکرے کی نریندر مودی کے ذریعہ مالی امداد کی پیش کش کو ٹھکرانے پر ان کی ستائش کرتے ہوئے سوامی اگنی ویش نے کہا، وہ شریمتی کرکرے کے سامنے سر جھکاتے ہیں، کیوں کہ ہیمنت کرکرے مر کر شہید

ہوئے، لیکن مودی کی پیش کش ٹھکرا کر کویتا کرکرے اپنی زندگی میں امر ہو گئیں۔"

پارلیمنٹ میں جس طرح مرکزی وزیر عبدالرحمٰن انتولے کی آواز کو دبا دیا گیا، کچھ اسی طرح کا معاملہ بٹلہ ہاؤس فرضی انکاؤنٹر میں بھی پیش آیا۔ ممبر پارلیمنٹ اکبر احمد ڈمپی، اور ممبر پارلیمنٹ الیاس اعظمی نے بڑی بے باکی سے پارلیمنٹ میں یہ آواز اٹھائی اور بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر کے فرضی واقعہ کی اعلیٰ سطحی تحقیقات کا مطالبہ بار بار دہرایا۔ اس حادثہ میں پولیس نے اعظم گڑھ کے دو بے گناہ طالب علموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ان دونوں مسلم ممبران پارلیمنٹ کی آواز پر عمل درآمد تو دور کی بات ہے، انھیں ان کی حق گوئی اور جائز مطالبے کی سزا یہ دی گئی کہ جنرل الیکشن میں بہوجن سماج پارٹی نے ان کے ٹکٹ کاٹ دیے۔ ان دونوں لیڈروں کا تعلق اعظم گڑھ سے ہے اور دونوں ہی اپنے آپ کو بہوجن سماج پارٹی کا وفادار سپاہی سمجھتے ہیں۔ کیا بہوجن سماج پارٹی پر بھی بی جے پی اور فرقہ پرست تنظیموں کا اثر ہے۔ کیا اسی لیے بہوجن سماج پارٹی مسلمانوں کو ٹکٹ دیتی ہے کہ وہ اقتدار پا کر مسلمانوں کو یکسر نظر انداز کر دیں؟ کیا مسلمانوں کے ساتھ یہی انصاف و ہمدردی ہے، بلکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یوپی کی وزیر اعلیٰ خود اس کیس میں دل چسپی لیتیں، کیوں کہ معاملہ ان کی ریاست کے ایک ضلع سے متعلق تھا۔ اگر ان کے بلند حوصلہ نمائندوں نے پارلیمنٹ میں آواز اٹھائی تھی تو ان کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے تھی، بلکہ اعظم گڑھ کے مسلمانوں کے ساتھ مسلسل جو ظلم و زیادتیاں ہو رہی ہیں حکومت اتر پردیش کو ان بے گناہ مسلمانوں کے ساتھ بھرپور ہمدردی کرنا چاہیے، اور تحقیق کے بعد جو لوگ دہشت گردانہ معاملات میں ملوث ہیں انھیں قرار واقعی سزا ملنا چاہیے۔ افسوس اب تک بٹلہ ہاؤس کے فرضی انکاؤنٹر کی تحقیق تو سامنے نہ آ سکی اور نہ کبھی آنے کا امکان ہے مگر انھیں راستے سے ضرور ہٹا دیا گیا، جنھوں نے پارلیمنٹ میں حق و انصاف کا مطالبہ کیا تھا۔

یہ تو ہیمنت کرکرے کی جرأت و ہمت اور حق شناسی کی ایک پہلی مثال تھی کہ کچھ حقیقی دہشت گردوں کے چہرے بے نقاب ہو کر سامنے آئے ورنہ اس سے پہلے نہ جانے کب سے یہ ہوتا چلا آ رہا ہے کہ جن دہشت گردانہ حملوں میں ہندوؤں کے ملوث ہونے کے امکانات سامنے آئے، انھیں دو ایک ہی روز میں منظر نامے سے غائب کر دیا جاتا ہے اور پولیس یا تو موقع واردات پر چوبیس گھنٹے کے بعد پہنچتی ہے اور اگر وقت پر پہنچ جاتی ہے تو بم کو پٹاخا بنا دیتی ہے۔ ملک بھر میں اس کی درجنوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، سر دست چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

اپریل 2006ء میں ناندیڑ میں بم بنانے کی کوشش میں بجرنگ دل کے دو کارکن ہلاک ہوئے۔ جائے واردات پر مساجد کے نقشے، نقلی داڑھی اور ٹوپی ملی۔ اس کے پیچھے سازش یہ تھی کہ بم دھماکوں کے بعد کا منظر نامہ کچھ اس طرح کا ہوگا کہ سارا الزام مسلمانوں کے سر تھوپ دیا جائے گا۔ ایک طویل مدت گزر جانے کے باوجود بھی ہماری حکومت ابھی اصل مجرموں کو پکڑنے میں ناکام رہی، یا اس پورے معاملے کو قصداً نظر انداز کر دیا گیا۔ 24/ اگست 2008ء کو کانپور میں اسی طرح بجرنگ دل کے دو کارکنان بم بناتے ہوئے مارے گئے۔ مگر یہ خبر بھی دو ایک روز تک اخبارات میں آئی، مگر اس کی تحقیق کی ضرورت بھی کسی نے محسوس نہیں کی کہ یہ بم کیوں بنا رہے تھے؟ ان بموں کا استعمال کہاں ہوتا؟ اور بم سازی کی اس تحریک کے پیچھے کن کن دہشت گردوں کا ہاتھ ہے؟ اسی طرح راجستھان کے بھرت پور ضلع کے ایک گھر میں پٹاخوں میں آگ لگنے سے 30/ لوگ ہلاک ہو گئے، کیا ایک گھر میں پٹاخے بنانے کے لیے اتنا بارود جمع کیا گیا تھا جس سے 30/ لوگ موقع پر ہی ہلاک ہو گئے، یا پھر ناندیڑ اور کانپور کی طرح بم سازی کا کام ہو رہا تھا، یا وہ بموں کا گودام تھا جہاں سے حسب ضرورت آتش گیر مادہ سپلائی ہوتا تھا۔ اور پھر اہم سوال یہ ہے کہ جائے واردات پر 30/ آدمیوں کی موت کے باوجود اس کی تحقیق کیوں نہیں ہوئی اور اگر ہوئی تو اس کی تفصیلات منظر عام پر کیوں نہیں لائی گئیں۔ اسی طرح مدھیہ پردیش کے ایک شہر ریوا میں گلاب سنگھ کے گھر پر 325/ کلوگرام امونیم نائٹریٹ برآمد ہوا۔ مقام حیرت ہے کہ وہ مجرم فرار ہونے میں کامیاب بھی ہو گیا اور اس کے فرار ہوتے ہی یہ سنسنی خیز خبر میڈیا سے بھی غائب ہو گئی۔ اس کے بعد مزید تفتیش و تحقیق کی زحمت نہ پولیس نے گوارا کی اور نہ خفیہ ایجنسیوں نے یہ پتہ لگانے کی کوشش کی کہ آخر امونیم نائٹریٹ کا اتنا ذخیرہ اس کے پاس کیوں موجود تھا۔ کیرالہ میں بھی بجرنگ دل کے دو کارکنان بم بنانے کی کوشش میں ہلاک ہوئے۔ اس کے خلاف بھی آج تک کوئی آواز نہ اٹھ سکی۔

یہ چند مثالیں ہیں۔ ملک بھر میں اس قسم کے درجنوں حادثات سامنے آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے منظر نامے سے روپوش کر دیے گئے۔ گھروں میں بم بنانے کی فیکٹریاں چل رہی ہیں، مجرم رنگے ہاتھوں سامنے آ رہے ہیں، مگر ان خبروں کو نہ کوئی اہمیت دی جاتی ہے اور نہ ان کے

خلاف سخت کارروائی ہوتی ہے۔ سوال یہی نہیں کہ ایک گھر میں آتش گیر مادہ پکڑا گیا، سوال یہ ہے کہ یہ سارا کام کس نیٹ ورک کے تحت ہو رہا ہے۔ اس سارے دہشت گردانہ معاملات کے ماسٹر مائنڈ کون لوگ ہیں؟ سرپرستی کون لوگ کر رہے ہیں اور یہ وافر مقدار میں سرمایہ کہاں سے آرہا ہے۔ یہی وہ کام تھا جسے ہیمنت کرکرے اپنی ٹیم کے ساتھ انجام دے رہے تھے مگر افسوس 26 ر نومبر کو ممبئی میں ہوئے دہشت گردانہ حملے میں ان کی موت ہوگئی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جن لوگوں نے ملک بھر میں ہوئے دہشت گردانہ واقعات کو دبانے کی کوشش کی، آج وہی لوگ ہیمنت کرکرے کی موت کے تعلق سے سچائی کو دبانے کی کوشش کر رہے ہیں؟ کیا ممبئی کے دہشت گردانہ حملوں کی مکمل سچائی وہی ہے جو عامر اجمل قصاب نے بیان کردی؟ کیا ہماری حکومتیں اور ہندستانی عوام تعصبات کے دبیز پردوں میں دبی سچائی سے قطعاً بے خبر ہیں۔ مرکزی وزیر برائے اقلیتی امور عبدالرحمٰن انتولے صاحب کی آواز کو دبا تو دیا گیا مگر وزیر داخلہ اپنے وضاحتی بیان سے ملک کے کروڑوں انسانوں کو مطمئن نہیں کر سکے۔ اگر سچ کہنا گردن زدنی نہ ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر سے لے کر ہیمنت کرکرے کے قتل تک ہماری مرکزی حکومت کا رویہ بھی جانب دارانہ رہا ہے، مرکزی حکومت فرقہ پرستوں سے خوف زدہ رہتی ہے، یا درونِ خانہ کوئی سمجھوتا ہے۔

اب اسی رخ پر ایک سوال اور میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ لال کرشن اڈوانی جی، سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر کے حلف نامے کو لے کر چراغ پا ہوگئے، وزیر اعظم سے ملاقات کے لیے وقت طلب کیا، سرکار نے ان کے ذریعہ اٹھائے گئے سوال کو اس قدر اہمیت دی کہ قومی سلامتی کے مشیر ایم کے نرائن کو ملنے کے لیے ان کے گھر بھیجا۔ مسٹر نرائن نے انھیں یقین دلایا کہ سادھوی پرگیہ سنگھ پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ اس کے بعد عدالت نے سادھوی پرگیہ کو پولیس کی حراست میں دینے سے انکار کردیا اور وزیر اعظم نے لال کرشن اڈوانی کو ملاقات کا وقت دیا۔ اس کے برخلاف شاہی امام سید احمد بخاری نے مفتی ابوالبشر کو پولیس کے اٹھانے اور ان پر زیادتیوں کے تعلق سے وزیر اعظم سے ملاقات کی مگر نتیجہ کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ جب کہ سادھوی پرگیہ کے خلاف اے ٹی ایس نے جو مضبوط ثبوت فراہم کیے تھے ان کے مقابلے میں مفتی ابوالبشر کا جرم نہ ہونے کے برابر تھا۔ خیر یہ بات تو ضمناً آگئی۔ اس قسم کے شواہد جمع کیے جائیں تو دفتر کے دفتر تیار ہو جائیں۔ یہاں مجھے ایک خاص بات یہ کہنا ہے کہ مالیگاؤں کی تحقیقات آنا شروع ہوئیں تو مرکزی سرکار اور کانگریس اپنے مستقبل کے تعلق سے بڑی خوش تھی اور بھارتیہ جنتا پارٹی بغلیں جھانکنے لگی تھی، مگر لال کرشن اڈوانی اور وزیر اعظم کی ملاقات میں ایسی کیا بات سامنے آئی کہ سرکار کا طرز عمل بدل گیا اور سارے سیاسی نشیب و فراز اپنے میزان پر آگئے؟ اور پھر ہوگیا 26 ر نومبر کو ممبئی پر دہشت گردانہ حملہ؟؟؟ جس کی مزید تحقیق کے لیے نہ مرکزی حکومت تیار ہے اور نہ بی جے پی اور نہ وشو ہندو پریشد اور نہ بجرنگ دل۔ حالاں کہ سیاسی حلقوں میں یہ بات گرم تھی کہ الیکشن میں اس بار کانگریس دہشت گردی کو بی جے پی کے خلاف سب سے بڑا ایشو بنائے گی اور سچی بات بھی یہی تھی کہ کانگریس اے ٹی ایس کی تحقیقات کو بنیاد بنا کر اگر میدان میں اترتی تو مسلمانوں کا رجحان کانگریس کی طرف بڑی حد تک بڑھ سکتا تھا، مگر یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ ع : زباں کچھ اور بوئے پیرہن کچھ اور کہتی ہے۔

ہم نہیں کہتے کہ ممبئی حملے میں پاکستان کا ہاتھ نہیں ہے، صدفی صد ہو سکتا ہے مگر جب تک تحقیقات سامنے نہیں آتی ہیں شبہات کے دروازے تو کھلے ہی رہیں گے۔ ہیمنت کرکرے کی موت کے بعد جب ان کی بیوی کے پاس جا کر نریندر مودی نے کثیر رقم کی پیش کش کی تو انھوں نے قبول کرنے سے صاف انکار کردیا۔ جو لوگ کل تک کرکرے کی مخالفت کر رہے تھے اور انصاف کی آواز کو دبانا چاہتے تھے، آج انھیں اتنی ہمدردی کہاں سے پیدا ہوگئی؟ کیا یہ ہمدردی اور غم گساری ان شبہات پر پردہ ڈالنا تو نہ تھا جو شبہات کرکرے کی موت کے تعلق سے ہندوستان کے کروڑوں انسانوں کے دماغوں میں ابھر رہے ہیں؟ شاید اسی پس منظر میں ٹائمس آف انڈیا نے لکھا ہے کہ: ”دہشت گردی کی یہ کارروائی مقامی تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے۔“

یہ فیصلہ اب ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ ہندستان میں دہشت گردی کا ذمہ دار کون ہے، پاکستان، حکومت، یا فرقہ پرست؟؟؟

☆☆☆☆☆☆

سوال و جواب

فتاوائے حافظ ملت

ترتیب و تخریج: مبارک حسین مصباحی

طلاق نامہ کا حکم

میرے شوہر نے مورخہ ۹ ر یا ۱۲ ر دسمبر ۵۰ء کو آکر طلاق دیا اور اس طرح سے لکھا جو کہ حسب ذیل مندرج ہے:

میں کہ صابر علی ولد امانت علی شاہ موضع بشن پورہ، ٹنٹوا تھانہ بچپڑوا ضلع گونڈہ کا ہوں جو کہ آج بتاریخ ۹ ر یا ۱۲ ر دسمبر ۵۰ء اپنی عورت عجیب النسا کو جو کہ لال محمد شاہ موضع کبد گورا تھانہ، بچپڑوا، ضلع گونڈہ کی لڑکی ہے اپنی خوشی، رضا مندی و درستی عقل سے طلاق دیتا ہوں اور یہ اقرار کرتا ہوں کہ مسماۃ سے مجھے کوئی واسطہ نہیں اور جو کچھ زیور وغیرہ تھا وصول پا کر اقرار نامہ بطور رسید لکھ دیا کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام دے۔

اسی طرح سے لکھا اور زیور واپس لیا۔ زیور جب لے لیا تو ایک تیسرا آدمی طلاق نامہ نوچ کر پھینک دیا اور چلے گئے تو طلاق ہوگئی کہ نہیں اور بچپن میں صرف رسم ادا کرنے شوہر کے گھر گئی تھی، عدت کیا ہے اور مہر کا کیا حق ہے۔ اس کا فتویٰ جلد از جلد بھیجا جائے۔ میں غریب لڑکی از حد پریشان ہوں۔ آپ لوگ مہربانی کریں خدا آپ لوگوں کا درجہ بلند فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ گواہان جو زیور دیا محمد یاسین خاں، یاسین ولد محمد، فتح نجار، حسن رضا فقیر، شبیر و دیگر مسلمان و مسماۃ عجیب النساء دختر لال محمد شاہ موضع کبد گورا بچپڑوا ضلع گونڈہ۔

الجواب

جب کہ صابر علی نے اپنی بی بی عجیب النسا کو طلاق نامہ میں لکھ دیا کہ طلاق دیتا ہوں اور زیور وغیرہ وصول پا کر اقرار نامہ لکھ دیا تو طلاق واقع ہوگئی۔ اس کے بعد طلاق نامہ کو پھاڑ کر پھینک دینے سے طلاق واپس نہیں آتی۔ طلاق نامہ صرف ثبوت کے لیے تھا۔ مگر جب کہ گواہان موجود ہیں تو طلاق ثابت بھی ہے۔ صحبت یا خلوت صحیحہ سے عدت واجب ہوتی ہے، جب کہ بچپن میں صرف رسما رخصتی ہوئی تھی اس کے بعد نہ صحبت ہوئی نہ خلوت صحیحہ تو عدت نہیں۔ عجیب النسا فوراً اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ اس صورت میں صابر علی پر آدھا مہر ادا کرنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وراثت کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاجی چمرو نے قضا کیا، چھوڑا اپنی دختر آمنہ کو اور اپنی زوجہ کو جو آمنہ کی ماں سوتیلی ہیں لہٰذا اس کا ترکہ شرع کی رو سے جس قدر ہو تقسیم کر دیا جائے۔ مورخہ ۴ ر ربیع الآخر ۷۰ ۱۳ھ

کاتب الحروف شکر اللہ بقلم خود

نشانی انگوٹھا آمنہ نشانی انگوٹھا زوجہ

الجواب

مسئلہ ۸

حاجی چمرو میت

بنت	زوجہ
آمنہ	ہندہ
۷	۱
بہ حساب آنہ پائی - ۱۴ ر آنہ	۲ ر آنہ

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث حاجی چمرو کا ترکہ آٹھ سہام پر تقسیم ہو کر ایک حصہ حاجی چمرو کی بی بی کو اور سات حصہ حاجی چمرو کی لڑکی آمنہ کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ ر ربیع الآخر ۷۰ھ مطابق ۱۴ ر جنوری ۵۱ء

طلاق سمجھا جانے کے جملے سے طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی قربان علی ولد محمد علی نے ایک تحریر اس امر کی دی کہ میں اپنی بیوی مسماۃ فاطمہ کو تیس روپیہ ماہانہ خوراکی خرچ برابر ادا کروں گا۔ اگر خرچہ نہ ادا

کرسکوں یا تاخیر کروں تو عرصہ ایک سال ہو جائے تو مسماۃ مذکورہ کو بلاواسطہ طلاق سمجھا جائے۔ اس کو اختیار ہے۔ اس تحریر کے بعد تقریباً ۴؍ ماہ تک خرچہ دیتا رہا پھر قطعاً بند کر دیا اور پندرہ ماہ تک بالکل خرچہ نہیں دیا اور اقرار نامہ کی بدعہدی کی اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اصل اقرار نامہ کی نقل درج ذیل ہے:

ہم کہ قربان علی ولد محمد علی ساکن موضع کلوریان باشندگان گوپال پور تھانہ مہراج گنج تحصیل سگڑی ضلع اعظم گڑھ

میں اقرار کرتا ہوں کہ مسماۃ فاطمہ ولد حفیظ اللہ موضع مذکورہ اگر اجازت یا بلا اجازت اپنی خوشی سے موضع مذکورہ پر رہوں یا کسی مقام پر رہوں مسماۃ مذکورہ کو جو کہ زوجہ ہے اقرار کرتا ہوں تیں روپیہ ماہانہ خوراکی خرچ کے لیے برابر ادا کروں گا۔ اس لیے سرکاری کاغذات وقت پر لکھ دیا کہ مسماۃ مذکورہ کے وقت پر کام دیوے اگر خرچہ ادا کرنے میں تاخیر کروں، عرصہ ایک سال ہو جائے تو مسماۃ مذکورہ کو بلاواسطہ طلاق سمجھا جائے۔ اس کو اختیار ہے۔

راقم محبوب علی، گوپال پور، بقلم خود، ۱۵؍ فروری ۱۹۴۸ء

الجواب

صورت مسئولہ میں اقرار نامہ کا مقصد تو یہی تھا کہ اگر قربان علی اپنی زوجہ مسماۃ فاطمہ کو ایک سال تک خرچہ نہ دے تو طلاق واقع ہو جائے۔ مگر کاتب نے اپنی جہالت یا خیانت سے طلاق سمجھا جائے لکھ دیا اور طلاق سمجھنے سے طلاق نہیں ہوتی۔ لہذا اقرار نامے کے یہ الفاظ طلاق سمجھا جائے لغو ہے اور ان الفاظ سے اقرار نامے کا مقصد فوت ہو گیا۔ مگر اس کے بعد یہ الفاظ ''اس کو اختیار ہے'' طلاق کی تفویض پر دلالت کرتے ہیں۔ ان سے مسماۃ فاطمہ کو حق حاصل ہے، وہ اپنے کو طلاق دے لے۔ اس طلاق کے بعد تین حیض گزرنے پر مسماۃ کو اختیار ہے، عقد ثانی کر سکتی ہے۔ و ہو تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

(ص:25 کا بقیہ) .... یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس اور رائے سے بہتر ہے۔

تفصیل کے لیے ناچیز کا مضمون ''احادیث ضعیفہ کی شرعی حیثیت'' ملاحظہ کریں۔

نیز فرمایا:

''فتقديم الحديث الضعيف و آثار الصحابة على القياس والرائ قوله و قول الامام احمد بن حنبل.'' (اعلام الموقعین، ج: اول، ص: 47)

حدیث ضعیف اور آثار صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم کرنا امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا قول ہے۔

حدیث مجھول: مجہول اس راوی کو کہتے ہیں جس کی ذات و شخصیت کا پتہ نہ چلے۔ یا ذات و شخصیت کا پتہ ہو لیکن اس کی صفت کا پتہ نہ ہو، آیا وہ عادل ہے یا غیر عادل۔ (مقدمہ شرح مسلم سعیدی، ص: 152)

مجہول کی تین قسمیں ہیں:

اول: مستور - وہ راوی جس کی عدالت ظاہر معلوم اور باطن کی تحقیق نہیں۔

دوم: مجھول العین - جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو۔

سوم: مجھول الحال - وہ راوی جس کی عدالت ظاہری و باطنی کچھ ثابت نہیں۔ (فتاوی رضویہ جدید، ج: 5، ص: 443)

راوی مجہول کی حدیث قبول کی جائے گی یا نہیں تو اس سلسلے میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ موقف ہے۔

''مجہول العین، یہ کوئی حرج نہیں۔ اس کی حدیث اس وقت غیر مقبول ہوگی جب کہ سلف نے اسے مردود قرار دیا ہو، یا یہ کہ اس کے ظہور کا عہد تابعین کے بعد ہو۔ اگر قرونِ ثلثہ میں ہو تو مطلقاً مقبول ہے۔ مجہول الاسم کا بھی یہی حکم ہے اور مجہول الحال راوی مقبول ہے۔ (مقدمہ جامع الاحادیث، ص: 556)

نوٹ: تفصیل کے لیے راقم الحروف کا مضمون ''حدیث مجہول کا مقام'' لائق مطالعہ ہے۔

☆☆☆☆☆

بینک کاری

مسائل و مباحث

اسلامی بینک کاری

مفتی محمد نظام الدین رضوی

آج عالمی سطح پر بینکنگ نظام قائم ہے، بینکوں کے ذریعہ دوسری قومیں بڑی تیزی سے اقتصادی میدان میں آگے بڑھ رہی ہیں اور ان کے ذرائع آمدنی سے اپنی قوم کے تعلیمی فروغ اور دیگر رفاہی کاموں میں بھی بھر پور تعاون کر رہی ہیں جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ ان بینکوں کی مالیات میں ایک بڑا حصہ عربوں اور دیگر دولت مند مسلمانوں کا ہے اور یہ سارا کاروبار عام طور پر سودی نظام کے تحت ہو رہا ہے، یہ انتہائی تشویش ناک صورت حال ہے کہ مسلمانوں کے سرمایہ سے مسلم قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے بلکہ ان بینکوں سے وابستہ مسلمان سودی گناہ میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اسلام کا اپنا خود ایک ہمہ گیر اور مستحکم اقتصادی نظام ہے۔ دولت مند مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سود کی لعنت سے بچیں اور اسلامی طریقے پر اپنے بینک قائم کریں۔ محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب نے غیر سودی بینکنگ نظام کی متعدد صورتیں پیش کی ہیں۔ اگر باضابطہ ان صورتوں پر عمل کیا جائے تو مسلمان اقتصادی طور پر خود کفیل اور مستحکم بھی ہوں گے اور بہت بڑے سرمائے سے مسلمانوں کے تعلیمی اور رفاہی امور بھی بحسن و خوبی انجام پا سکیں گے اور اسی کے ساتھ قرض حسن وغیرہ کے ذریعہ غریب مسلمانوں کا بھی بہت بڑا تعاون ہو سکے گا۔ از مبارک حسین مصباحی

عصر حاضر میں جب کہ بینک کاری کی ترقیات کا سورج نصف النہار پر پہنچ رہا ہے، اس کی عظیم افادیت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آج کتنے ممالک ہیں جو مال و زر کے بے پناہ ذخائر، یا عظیم الشان بینکوں کے سہارے اکتشافات و ایجادات میں کمال پیدا کر کے سوپر پاور (Super Power) بن چکے ہیں اور دنیا کے امیر ترین ممالک میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اگر ان کی چلمن میں جھانک کر دیکھا جائے تو وہاں زیادہ تر ہماری ہی دولتِ بے بہا کی گل کاری نظر آئے گی اور محسوس ہوگا کہ وہ ہمارے ہی ریال ہیں جن کے بل بوتے پر وہ آج دولت کی دنیا میں سب سے اونچے نظر آ رہے ہیں۔ اگر ہم عقل و دانش کے تقاضوں پر کاربند ہو کر اپنی دولتوں کے خزانے اپنے قبضہ میں کر لیں تو اس سے ہمارا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ معاشیات کی دنیا میں ہمارا بھی ایک وقار اور مقام ہوگا اور اس کے ذریعہ مذہب و ملت کے فروغ و استحکام کے قابل قدر کارنامے انجام دیے جا سکیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) اور دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ سودی معاملات کی آلودگی سے ہمارا دامن داغ دار نہ ہوگا۔

آج قدم قدم پر بینکوں کی سوسائٹی میں جو ہمیں سود جیسی معصیت کا بادلِ ناخواستہ سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بینکنگ نظام ہمارے ہاتھوں میں نہیں، اس لیے سخت ضرورت ہے کہ اہل اسلام اس طرف بھی توجہ فرمائیں اور جگہ جگہ ایسے مالیاتی ادارے قائم کریں جن کی بنیادیں ''اسلامی اصولوں'' پر استوار کی گئی ہوں اور وہ سود اس کے مثل دوسرے ناجائز عقود

صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

سے مکمل پاک ہوں۔ مذہب اسلام کے نظریۂ معاشیات کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ اسلام نے بہت سے ایسے عقود کی اجازت دی ہے کہ ان پر عمل پیرا ہو کر کامیابی کے ساتھ اسلامی بینک چلائے جا سکتے ہیں۔ ہم یہاں ان عقود کی ایک فہرست قدرے تشریح کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

1-شرکت: بینک کسی کے ساتھ یوں کاروبار کرے کہ دونوں تجارت میں برابر برابر یا کم وبیش روپے لگائیں اور جو نفع ہو دونوں اپنے مال کے تناسب سے کسی مقررہ شرح کے مطابق تقسیم کرلیں۔

''مقررہ شرح'' کا مطلب ''فی صد'' ہے۔ یہ فی صد برابر برابر بھی ہوسکتا ہے اور کم وبیش بھی، مثلاً یہ کہ نفع میں دونوں آدھے آدھے (50%) کے شریک ہوں گے، یا ایک فریق نفع میں مثلاً 40% کا حق دار ہوگا اور دوسرا فریق جو کام کر رہا ہے 60% فی صد پائے گا۔ اور اگر خدانخواستہ کبھی تجارت میں نقصان ہوا دونوں تو فریق نقصان میں بھی اسی مقررہ شرح کے حساب سے شریک ہوں گے۔

2-مُضاربَت: یعنی ایک طرف سے مال، اور دوسری طرف سے کام۔ بینک قابلِ اعتماد، امانت دار تاجروں کو روپے اس معاہدہ کے ساتھ دے کہ تم تجارت کرو جو کچھ نفع ہوگا اس میں اتنے فی صد تمہارا ہوگا اور اتنے فی صد میرا۔ شرکت کی طرح یہاں بھی نفع کا فی صد کم وبیش ہوسکتا ہے اور بہر حال شرکت ہو، یا مضاربت، کہیں بھی کسی فریق کے لیے روپیوں کی مقدار سے نفع کا استحقاق مقرر کرنا جائز نہیں۔ مثلاً یہ نفع میں سو روپے فلاں فریق کے ہوں گے، اور بقیہ دوسرے فریق کے۔ اس کے لیے شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ نفع کی شرح بہر حال فی صد کے لحاظ سے مقرر ہوگی، خواہ یہ فی صد کتنا ہی کم یا زیادہ ہو۔

3-بیع عینہ: دَین سے خاطر خواہ نفع کے حصول کا جائز معاملہ۔ اس بیع کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے قرض لینا چاہتا ہے، اور وہ اسے قرض نہ دے کر یہ کہے کہ تم یہ سامان مجھ سے اُدھار خرید لو، پھر اسے بازار میں نقد بیچ کر اپنا کام چلاؤ۔ وہ راضی ہو تو یہ اس کے ہاتھ اتنے دام کا سامان بیچ دے جتنے سے اس کا کام چل سکے، مثلاً قرض مانگنے والے کو سو روپے کی ضرورت ہے اور یہ سو روپے پر دس روپے نفع لینا چاہتا ہے تو یہ سو روپے کا سامان ایک مقررہ میعاد تک کے لیے ایک سو دس روپے میں بیچ دے، پھر یہ خریدار وہ سامان بازار میں سو روپے میں فروخت کردے۔

اس طرح اسے سو روپے مل گئے اور صاحب مال کو دس روپے کا نفع بھی جو اسے چاہیے تھا مل گیا۔

بہارِ شریعت میں فتاوی قاضی خان، فتح القدیر اور رد المحتار کے حوالہ سے اس بیع کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

''سود سے بچنے کی ایک صورت بیع عینہ ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، بیع عینہ مکروہ ہے کیوں کہ قرض کی خوبی اور حسنِ سلوک سے محض نفع کی خاطر بچنا چاہتا ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھی نیت ہو تو اس میں حرج نہیں، بلکہ بیع کرنے والا مستحق ثواب ہے، کیوں کہ وہ سود سے بچنا چاہتا ہے۔ مشائخِ بلخ نے فرمایا: بیع عینہ ہمارے زمانہ کی اکثر بیعوں سے بہتر ہے۔

بیع عینہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے مثلاً دس روپے قرض مانگے، اس نے کہا میں قرض نہیں دوں گا، یہ البتہ کرسکتا ہوں کہ یہ چیز تمہارے ہاتھ بارہ روپے کو بیچتا ہوں، اگر تم چاہو خرید لو، اسے بازار میں دس روپے کو بیع کردینا، تمھیں دس روپے مل جائیں گے اور کام چل جائے گا، اور اسی صورت سے بیع ہوئی۔ بائع نے زیادہ نفع حاصل کرنے اور سود سے بچنے کا یہ حیلہ نکالا کہ، دس کی چیز بارہ میں بیع کردی، اس کا کام چل گیا اور خاطر خواہ اس کو نفع مل گیا۔'' (بہارِ شریعت، ص:157، حصہ:11)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیع کے متعلق یہ تاثر پیش کیا، فرماتے ہیں:

''عنایہ میں فرمایا قرض دینے سے روگردانی مکروہ نہیں اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں نفع چاہے، وہ بھی ایسا ہی ہے، ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا۔ انتہیٰ

بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ اور خرید وفروخت

میں قیمت کم کرنا سنت ہے اور بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں نام وری ہے نہ ثواب۔ تو اس میں انتہیٰ درجہ کراہت تنزیہہ ہے۔ ورنہ بہ صحت ثابت ہولیا کہ صحابۂ کرام نے اُسے کیا اور تعریف فرمائی۔ اور علامہ عبد الحلیم معاصر، علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ تعالیٰ حاشیہ دُرر میں لکھتے ہیں: امام ابو یوسف سے روایت یوں ہے کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے اس لیے کہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اور حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اس لیے کہ بہ کثرت صحابہ نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔ انتہیٰ۔

اور اس کی روشِ عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی امام ابو یوسف کا کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ، ص:176، ج:7 رسالہ کفل الفقیہ الفاہم)

بینک اس حیلۂ شرعیہ پر بہ آسانی عمل کرسکتا ہے کہ قرض داروں سے جتنے روپے وہ سود وغیرہ کے نام پر وصول کرتا اتنے روپے وہ ان کے ہاتھ بازار بھاؤ سے زیادہ دام پر سامان ادھار بیچ کر وصول کرلے۔ یہ نفع اس کے لیے حلال ہوگا کہ یہ قرض کی وجہ سے نہیں بلکہ بیع وتجارت کی وجہ سے حاصل کیا گیا۔

واضح ہو کہ بینک اگر کسی غیر مسلم کو قرض دیتا ہے تو اسے بیع عینہ کی حاجت نہیں کہ اس سے نفع کے نام پر جتنی رقم چاہے لے سکتا ہے، کیوں کہ اس کے مال میں سود کا تحقق نہیں ہوتا۔ مگر اس طرح کا معاملہ صرف غیر مسلم یا ہندستان جیسی سلطنتوں میں ہوسکتا ہے۔

4- چاہیں تو کچھ رقم بینک کے فکس ڈپوزٹ میں جمع کردیں جو مدت مقررہ کے بعد دوگنی ہو کر وصول ہوگی۔ یہاں کی حکومت کے بینکوں سے اس طرح نفع کا حصول جائز ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اسے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

5-بیع مؤجّل: یعنی سامان نقد اور دام اُدھار۔ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کوئی ایسا سامان لینا چاہتا ہے جو عام طور سے وہاں کے ماحول میں زیادہ کار آمد اور نفع بخش ہو، جیسے لوم، ایلس-رے مشین، الکٹر واسٹیٹ، وغیرہ۔ تو وہ سامان اسے خرید کر لاگت سے زیادہ دام پر ایک معینہ مدت کے لیے یک مشت یا قسط وار اُدھار دے دیا جائے۔

6-بیع مُرابحہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ خریدار کو یہ بتایا جائے کہ یہ مشین، یا یہ سامان مجھے اتنے میں پڑا ہے، مثلاً پانچ ہزار روپے میں۔ اور اسے پانچ سو روپے نفع کے ساتھ تمہارے ہاتھ پانچ ہزار پانچ سو روپے میں فروخت کرتا ہوں۔ خواہ نقد، یا اُدھار، یک مشت، یا قسط وار، اُدھار کی صورت میں دام کی ادائیگی کی میعاد بہر حال متعین ہونی چاہیے۔

7-شفا خانہ کا قیام: ان تجارتوں میں اللہ تعالیٰ برکت دے تو اس سے اور کچھ قوم کے چندے سے اچھا شفا خانہ قائم کرلیا جائے، جس میں اچھے ڈاکٹر، ضروری آلہ جات اور طبی معائینوں کی جدید سہولیات فراہم ہوں۔

اس سے قوم کی بڑی خدمت بھی ہوگی جو اخلاص نیت کی صورت میں بڑے اجر وثواب کی باعث ہوگی اور ساتھ ہی بینک کے لیے یہ بڑا نفع بخش بھی ہوگا۔

اس طرح سے مذہب اسلام میں اور بھی دوسرے ذرائع ہیں جن پر کاربند ہو کر غیر سودی بین کاری کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ بلکہ دنیا کے سامنے اسلامی نظامِ معاش کا ایک صاف ستھرا مثالی نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

اخیر میں ایک ضروری گزارش یہ بھی ہے کہ بینک میں ایک شعبہ قرضِ حسن کا بھی ضرور رکھا جائے جس کے ذریعہ غریب اور حاجت مند مسلمانوں کو دینی اور دنیوی امور کے لیے نقد کی شکل میں، یا حسبِ حاجت متاع کی شکل میں روپے یا سامان فراہم کیے جائیں تاکہ یہ بینک خالص طلب دنیا کے لیے مخصوص نہ ہوجائے، بلکہ اس میں کچھ حصہ دین کا بھی شامل رہے۔

خدائے پاک سب مسلمانوں کو اسلام کے پاکیزہ اصولوں پر عمل کی توفیق رفیق عطا فرمائے، آمین۔

اپنے ہاتھوں سے بنا تو بھی کوئی قصر عظیم
چشم حیرت سے کسی محل کی تعمیر نہ دیکھ

☆☆☆☆☆

فکر امروز

چمنستانِ رضا میں پھولوں کی کیاریاں

مولانا محمد اسحاق رضوی مصباحی

اردو شاعری میں تمام ہی شعرا نے وصف گل و سیر چمن و صبا، بوے گلستاں، بلبل و قمری، سرو سہی، صیاد، خار، باغ باں، بارش، بہار، نسیم کوے جاناں، کوچۂ معطر کی تشبیہ و استعارے میں جودت طبع دکھائی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی جہاں ایک جید عالمِ دین، ماہرِ فلسفی، شان دار نثر نگار، عظیم مفسر، بے مثال محدث تھے وہیں وہ ایک معتبر مرتبہ والے اور مسلم اسلوب رکھنے والے شاعر بھی تھے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں ان کی پیدائش ہوئی، یہ زمانہ کہلاتا ہے داغ، امیر مینائی، جلال، تسلیم، حالی، اکبر، راسخ اور شاد کا زمانہ۔ جب امام احمد رضا نے اپنی شاعری شروع کی تو اس وقت ان بزرگ شاعروں کے شاگردوں کا دور شروع ہو چکا تھا۔ جیسے سائل، سیماب، نوح، ریاض، جلیل، مضطر، آرزو۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کی انگریزوں کے مقابلہ میں مکمل سیاسی شکست کے باعث اردو شاعری میں قدرے ضعف آچکا تھا۔ خصوصی طور پر لکھنوی غزل مائل بہ ابتذال تھی، جس کے کچھ عرصہ بعد فراق، جگر، اصغر گونڈوی نے نیا لباس پہنایا اور اس کے خد و خال پر غازہ روشن چمکایا۔ داغ، حسرت، اصغر کے بیچ کے دور میں اردو شاعری اور خصوصاً اندازِ غزل کو کس نے باقی رکھا؟ قدیم استعاروں میں نئی جان کس نے ڈالی؟ زبان کی صفائی کا کام کس نے کیا؟ قصیدے، رباعی کی آبرو کس نے بچائی؟، اردو کو پاک عشق سے کس نے معطر کیا؟ چمن غزل کی خاص کیاری یعنی نعت کے پھول کس نے کھلائے؟ مبالغہ نہ کرتے ہوئے ہم کو اتنا تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ سب اگر دوسرے شاعروں نے کیا تو ان سب سے زیادہ حصہ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

شاعری کو عرش بریں تک پہنچایا۔ نئے استعارے اور بے مثل تخیل، دل کو بھاتی ہوئی صنعتیں، صاف ستھری کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان میں عشقِ رسالت کی شراب طہور کو پیش کیا، جس کے نشۂ وحدت سے آج تک پوری دنیا کی فضائیں مخمور ہیں۔ میدانِ سخن تنگ ہوتے ہوئے بھی ان کا تخیل اتنا وسیع ہے کہ اس میں عرش سے فرش تک کا سارا گلشنِ ہستی سما جاتا ہے، کاکل و ابرو بھی ہیں، گیسوے دراز بھی ہیں، سرو سہی بھی ہیں، لالہ زار بھی ہیں، نور کے کٹورے بھی ہیں۔ وہاں ابر رحمت کے جھالے برستے ہیں، ہالۂ رخِ قمر میں رخِ محبوب سے رحمت کی تمنا بھی ہے، دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا بھی، عاشقانِ سوختہ بھی، وہاں سخی کے در بھی اور فقیر بھی ہیں۔ کوچۂ جاناں سے نسیم بھی آتی ہے۔ وہاں عاشقِ صادق محبوب کے دیار کے خار کو بھی اپنے دل میں اتارنا چاہتا ہے۔ ان کے اشعار کی دنیاے تخیل ایک حقیقت ہے، ایک چمن ہے، ایک زندگی ہے۔ ان کا ایک محبوب ہے، جس کا ادب ہر ادب سے بالا ہے، اس کی شانِ ثنا اور راہِ وصف تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہے۔ رضا بریلوی اس ایک نقطہ کو وسعت دے کر چمن بنا دیتے ہیں اور اس میں اتنی بہاریں کہ اردو کی تمام شاعری کو جمع کیا جائے تو بھی گل و بلبل و عطر بوے کوچۂ جاناں کی اتنی مہک نہ رکھ سکے جتنی کی چمن رضا میں ہے۔ رضا بریلوی کے چمن میں گل ایسا گل ہے کہ اس کی خوشبو نے تمام پھولوں کو چھپا لیا اور اپنی چمک، نور اور خوشبو سے مہکایا ہے۔

نہ رکھی گل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

مگر اس گلشن میں اس روے خوب کے سائے ہیں، حسن و حسین ایسے غنچے کھلے ہیں اور اس چمن کے مبارک پودے اپنی شاخِ طوبیٰ کو بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ شجرۂ رحمتِ الٰہی ایک مبارک درخت ہے جس کی جڑ مدینہ شریف میں ہے اور شاخیں سارے عالم میں ہیں۔ رضا بریلوی اس شجرۂ مبارک کی شاخوں کے سامنے چمن نبوت کے گل کی یاد میں جنت کے پھولوں کو روبہ رو کر کے ایک بلبل وارفتہ اور ایک عندلیب ہزار داستان ہے اور ایسے ایسے دل گیر نغمے کی شیرینی ہمارے کانوں میں گھولتے ہیں کہ تمام اردو شاعری کے گلستاں اس کی مہک سے جھوم جھوم اٹھتے ہیں۔

یہی کہتی ہے بلبل باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہِ ہدیٰ، مجھے شوخیِ طبعِ رضا کی قسم

تو اردو شاعری میں چمن کا تخیل جو امام احمد رضا بریلوی نے نقش کیا ہے، اس کی مثال شاید اردو شاعری میں نہ مل سکے۔ آیئے آپ بھی میرے ساتھ اس باغِ جناں کی سیر کو چلیے اور نعت کی مبارک خوشبو سے مہکتے جایئے۔ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس چمن کی عطر بیز فضاؤں میں اپنے پیارے غوث یعنی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سر، تاجِ ولایت کا سہرا باندھا ہے اور اس دل گیر منظر کو عقیدت و الفت کے ساتھ پیشِ نظر کیا ہے کہ ساتھ میں قاری شعروں کے الفاظ میں مستِ نشۂ بہار ہو جاتے ہیں۔

شجر سرو سہی کس کے اگائے، تیرے!
معرفت پھول سہی، کس کا کھلایا، تیرا!
تو ہے نوشاہ، براتی ہے یہ سارا گل زار
لائی ہے فصلِ سمن گوندھ کے سہرا تیرا
ڈالیاں جھومتی ہیں، رقصِ خوشی جوش پہ ہے
بلبلیں جھولتی ہیں، گاتی ہیں سہرا تیرا
گیت کلیوں کی چٹک، غزلیں ہزاروں کی چہک
باغ کے سازوں میں بجتا ہے ترانا تیرا
صف ہر شجرہ میں ہوتی ہے سلامی تیری
شاخیں جھک جھک کے بجالاتی ہیں مجرا تیرا
کس گلستاں کو نہیں فصلِ بہاری سے نیاز
کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قطب الاقطاب سردارِ اولیاے جہاں ہیں اور تمام شجروں اور سلسلوں کی شاخوں میں آپ کی عظمت کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ تمام سلسلوں کے عقیدت مند آپ کا نام ادب سے لیتے ہیں۔ دنیا میں لاکھوں محفلوں میں آپ کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ان مجلسوں کو باغ، عقیدت مندوں کو بلبلیں، سلسلوں کے فروغ کو صف ہر شجرہ، بیعت کے سلسلہ کو فصل گلستاں، محبت سے سید الاولیا کے لقب کو فصل سمن باندھ لائی سہرا تیرا، بزرگوں کے سلسلوں کی ان سے متعلق عقیدت مندوں کو آپ سے محبت کے اظہار کے جوشِ خوشی سے جھومنا، کے خیال کو تخیل بنا کر چمن کی حقیقت بنانے کا کام رضا بریلوی کا ہے۔ اس تخیل میں ہندستانی فضاؤں میں مست ہو جاتے ہیں۔ چمن کی بہار، ڈالیوں کا جھومنا، بلبلوں کا جھولنا، پھولوں کا سہرا، قطار در قطار، سرو سہی کے تناور اور خوش قامت درخت، گلستاں کا جوبن، فصلِ بہار کی آمد، ہزار پرندوں کا چہکنا، بلبلوں کے گانے، ان تمام مناظر کو ہندستان کے خالص روایت اور جغرافیہ، یہاں کے موسم اور عادات سے اخذ کیا ہے۔ حضرت شیخ عبد القادر سیدِ الاولیا الجیلانی البغدادی کے قصیدہ میں ہندستان کی فضاؤں کا عطر، رضا بریلوی نے لے کر تمام دنیا کے سامنے پیش کیا۔ محبت، گل، گلشن، بہار، نوشہ، سہرا وغیرہ وہ مناظر ہیں جن سے پاک محبت میں بہار آتی ہے اور اسی تخیل کا سہارا رضا بریلوی نے عقیدت کے اظہار کے لیے اختیار فرمایا ہے۔

انبیاے کرام کی مبارک جماعت کے ساتھ رضا بریلوی نے باغِ رسالت کا تخیل دیا ہے۔ اس تمام سلسلہ کو باغ رسالت کہا ہے۔ بہت سے اشعار میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گلِ باغِ رسالت کا تصور دیا ہے۔ ع:

گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

عقیدۂ ختم نبوت کو چمن سے منسلک کر کے ایسا تصور فرمایا ہے، جو ان کی شاعری کی عظمت کو سلام کرنے پر قلم کو مجبور کرتا ہے۔

نہ رکھی گل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

مدینہ منورہ کو چمن محبوب اور سارے عرب کو گلشن کہنا، یہ بھی رضا کا خاص تخیل ہے۔

طیبہ کے سوا سب باغ پامالِ فنا ہوں گے
دیکھو گے چمن والو! جب عہد خزاں آیا

مدینہ شریف کی حاضری میں دیدار محبوب نہ ہوا، صرف حاضری ہوئی۔ اس نامرادی اور ناکامی کی سوزش نے یہ کہنے پر مجبور کیا۔

نہ روے گل ابھی دیکھا نہ بوے گل سونگھی
قضا نے لا کے قفس میں شکستہ بال کیا

بلبلِ خود رفتہ چمن کو روانہ ہوتی ہے، ہزار تمناؤں کے ساتھ بے شمار جذبات اور مرادوں کے ساتھ صیاد قضا دیدار گل سے پہلے ہی گرفتار کر کے بال و پر سے شکستہ کر کے مبتلاے قفس کر دیتا ہے۔ بغیر دیدار محبوب کے مدینہ سے واپس یہ تخیل، چمن، گل، بال و پر سے شکستہ بلبل، بوے گل سے محرومی، روے گل سے نامرادی، جس طرح عقیدت و محبت، سوزش عشق و درد کی ٹیس کو بتاتی ہے اسی طرح تخیل چمن کی ایک لاجواب مثال ہے، جس کا عکس کچھ جگر کے اس شعر میں آتا ہے۔

جب چمن سے لے چلا صیاد کر کے ہم کو قید
دور تک مڑ مڑ کے کوئے گلستاں دیکھا کیے

پھر سوزشِ دردِ عشق حد کو پار کر جاتا ہے تو صیادِ قضا سے عتابانہ انداز میں فرماتے ہیں۔

چمن سے پھینک دیا آشیانۂ بلبل
اجاڑا خانۂ بے کس، بڑا کمال کیا

گلستانِ عرب اور چمن طیبہ ایسے چمن ہیں کہ کہیں بہار ہو، نہ ہو، وہاں بہار رہے گی۔ خزاں کا ظالم ہاتھ سارے گلستاں کو خزاں رسیدہ کر دے مگر چمن طیبہ کے پھولوں کی بہار اس کی خرد برد سے پاک اور محفوظ رہیں گے۔ حدیث شریف کی کتابوں ترمذی شریف، بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں قربِ قیامت بھی مدینہ طیبہ کو فتنوں سے محفوظ رہنے کی خوش خبری دی گئی ہے۔ اس دینی خوش خبری کو شاعری میں تخیل کے موتیوں سے رضا بریلوی نے سجایا ہے۔

فصلِ گل لاکھ نہ ہو وصل کی رکھ آس ہزار
پھولتے پھلتے ہیں بے فصل گلستانِ عرب
صدقے ہونے کو چلے آتے ہیں لاکھوں گل زار
کچھ عجب رنگ سے پھولا ہے گلستانِ عرب
چرچے ہوتے ہیں یہ کمھلائے ہوئے پھولوں میں
کیوں یہ دن دیکھتے، پاتے جو بیابانِ عرب

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے بلبل شیدائی ہیں اور مدینہ چمن ہے۔

جوبنوں پر ہے بہارِ چمن آرائیِ دوست
خلد کا نام نہ لے اب یہاں شیدائیِ دوست

شجرۃ القدس، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم، رحمت عالم، حضرت سیدہ زہرا، امام حسن، امام حسین، حضرت صدیق و فاروق وعثمان وحیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذات اقدس، سرکار کے قامت مبارک، رخسار ولب مبارک و چہرۂ انور کی چمک اور بہار، آل احمد سے عمر کے آخری حصے میں مدد کی درخواست، ان تصورات و معتقدات کو چمن، شاخ، شاخِ قامت، نخلِ دل، نیساں کا برسنا، بہار کا آنا، شاخ کا مہکنا، آخری وقت جیسے کلمات سے چمن کا تخیل پرویا ہے۔ اس پورے سینریو میں عرش سے فرش تک، گل سے نخل تک اور بہار سے خزاں تک تصوراتی سفر کو قاری بڑی آہستہ روی سے طے کرتا ہے۔

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعتِ نبی لکھنے کو روحِ قدس سے ایسی شاخ
مولیٰ گلبن رحمت زہرا، سبطین اس کی کلیاں پھول
صدیق و فاروق و عثماں، حیدر ہر اک اس کی شاخ
شاخِ قامت، شہ میں زلف و چشم و رخسار و لب ہیں
سنبل نرگس گل پنکھڑیاں قدرت کی کیا پھولی شاخ
اپنے اِن باغوں کا صدقہ وہ رحمت کا پانی دے
جس سے نخلِ دل میں ہو پیدا پیارے تیری وِلا کی شاخ
یادِ رخ میں آہیں بھر کے بن میں میں رویا آئی بہار
جھومیں نسیمیں، نیساں برسا، کلیاں چٹکیں، مہکی شاخ
ظاہر و باطن، اول و آخر زیبِ فروع و زینِ اصول
باغِ رسالت میں ہے تو ہی گل، غنچہ، جڑ، پتی، شاخ
آلِ احمد خذ بیدی یا سید حمزہ کن مددی
وقتِ خزانِ عمرِ رضا ہو برگِ ہدیٰ سے نہ عاری شاخ

حضرت جبریل علیہ السلام مدینہ طیبہ میں عرش بریں سے نازل ہوتے تھے، رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے تشریف لانے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل پاک میں عرض گزار ہونے کے خیال کو وسعت دے کر بڑی خوب صورتی سے چمن وبلبل کے تخیل سے ملا کر معراج عطا کر دی ہے۔

چمنِ طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغِ سدرہ
برسوں چہکے ہیں جہاں بلبلِ شیدا ہو کر

چمن اور گل کے تخیل سے رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے مضامین میں جدت، تخیل میں وسعت اور تشبیہات میں ندرت پیدا کی ہے، جو ایک طرف حقیقت سے دور نہیں تو دوسری طرف ایک طرفہ جدت بھی ہے۔ مندرجہ ذیل نعت شریف میں گل، دل کی یاد میں گلِ شگفتہ وگل وبلبل، غازۂ شوق، شبنم، برق جمالِ گل، عطرِ جمالِ گل، عنادل جیسے مترنم کلمات سے نعت شریف، عرض حال، عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مفاہیم کو ایک مشتاقانہ رنگینی عطا کی ہے اور الفاظ میں ہشت بہشت کی بہار اتار دی ہے۔

کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پر مثالِ گل
پامالِ جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل

جنت ہے اُن کے جلوے سے جویائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوالِ گل
ان کے قدم سے سلعۂ غالی ہوئی جناں
واللہ میرے گل سے ہے جاہ و جلالِ گل
سنتا ہوں عشقِ شاہ میں دل ہوگا خوں فشاں
یارب یہ مژدہ سچ ہو، مبارک ہو فالِ گل
بلبل حرم کو چل، غمِ فانی سے فائدہ!
کب تک کہے گی ہائے، وہ غنج و دلالِ گل
غم گیں ہے شوقِ غازۂ خاکِ مدینہ میں
شبنم سے دھل سکے گی نہ گردِ ملالِ گل
بلبل یہ کیا کہا، میں کہاں فصلِ گل کہاں
امید رکھ کہ عام ہے جود و نوالِ گل
بلبل، گھرا ہے ابر ولا مژدہ ہو کہ اب
گرتی ہے آشیانہ پہ برقِ جمالِ گل
یارب، ہرا بھرا رہے داغِ جگر کا باغ
ہر مہ مہِ بہار ہو، ہر سال سالِ گل
رنگِ مژہ سے کر کے خجل یادِ شاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطرِ جمالِ گل
میں یادِ شہ میں رووں، عنادل کریں ہجوم
ہر اشکِ لالہ فام پہ ہو احتمالِ گل
ہیں عکسِ چہرہ سے لبِ گلگوں میں سرخیاں
ڈوبا ہے بدرِ گل سے شفق میں ہلالِ گل
نعتِ حضور میں مترنم ہے عندلیب
شاخوں کے جھومنے سے عیاں وجد و حالِ گل
بلبل، گلِ مدینہ ہمیشہ بہار ہے
دو دن کی ہے بہار، فنا ہے مآلِ گل
شیخین اِدھر نثار، غنی و علی اُدھر
غنچہ ہے بلبلوں کا یمین و شمالِ گل
چاہے خدا تو پائیں گے عشقِ نبی میں خلد
نکلی ہے نامۂ دلِ پر خوں میں فالِ گل
کر اس کی یاد جس سے ملے چین، عندلیب
دیکھا نہیں کہ خارِ الم ہے خیالِ گل
دیکھا تھا خوابِ خارِ حرم عندلیب نے
کھٹکا کیا ہے آنکھ میں شب بھر خیالِ گل
ان دو، کا صدقہ جن کو کہا میرے پھول ہیں
کیجئے رضا کو حشر میں خنداں مثالِ گل

پھول سے تشبیہ دینا کوئی نئی چیز نہیں ہے، مگر با کمال شاعری کا کمال، معنی و مفہوم کو جدت اور نئی جہت عطا کر کے بلندیوں تک پہنچانا ہوتا ہے۔ ہمارے شاعر نے پھول کے مفہوم کو کس کس طرح سے نئی جہتیں عطا کی ہیں اور اپنے محبوب کے سراپا میں کس کس رنگ کے پھول بھرے ہیں، دیکھیے۔

سر تا بہ قدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
صدقے میں ترے باغ تو کیا، لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول
تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہِ محن پھول
واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلھن پھول
دل بستہ و خوں گشتہ نہ خوشبو نہ لطافت
کیوں غنچہ کہوں، ہے مرے آقا کا دہن پھول
شب یاد تھی کن دانتوں کی شبنم کہ دمِ صبح
شوخانِ بہاری کے جڑاؤ ہیں کرن پھول
دندان و لب و زلف و رخِ شہ کے فدائی
ہیں درِ عدن، لعلِ یمن، مشکِ ختن پھول
بو ہو کے نہاں ہو گئے تابِ رخِ شہ میں
لو بن گئے ہیں اب تو حسینوں کے دہن پھول
ہوں بارِ گنہ سے نہ خجل دوشِ عزیزاں
للہ مری نعش کر اے جانِ چمن پھول
دل اپنا بھی شیدائی ہے اُس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول
دل کھول کے خوں رو لے غمِ عارضِ شہ میں
نکلے تو کہیں حسرتِ خوں نابہ شدن پھول
کیا غازہ ملا گردِ مدینہ کا جو ہے آج
نکھرے ہوئے جوبن میں قیامت کی پھبن پھول

گرمی یہ قیامت ہے کہ کانٹے ہیں زباں پر
بلبل کو بھی اے ساقیِ صہبا و لبن پھول
ہے کون کہ گریہ کرے یا فاتحہ کو آے
بے کس کے اٹھاۓ تری رحمت کے بھرن پھول
کیا بات رضا اُس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

اپنی اس سحر بیانی کا احساس خود رضا کو بھی تھا، کیوں کہ وہ ذوقِ شعر رکھتے تھے اور تنقید کا شعور بھی۔ لیکن اپنے اس جذبے کے ذکر کے لے بھی ہمارے شاعر نے گلشن و بلبل و جناں، وگلستاں کے استعارہ کو وسعتِ تخیل میں تبدیل کیا۔

یہی کہتی ہے بلبل باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہِ ہدیٰ، مجھے شوخیِ طبعِ رضا کی قسم

گل چمن میں ہوتا ہے، اور چمن میں بہار اور خارِ دشت ہیں، ہجر و وصال، تمنائے وصال کے مفہوم کو دشت چمن گل، حرماں، خار کے تخیل میں مناسبت اور پھر اس سے فسونِ تکلم و نکتہ سازی کی ہے۔ ہمارے شاعر نے جس سے ہم جذبہ شوق اور دل کی تڑپ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

تجھ سے اے گل میں ستم دیدۂ دشتِ حرماں
خلشِ دل کی کہوں یا غمِ خارِ دامن

دل بستہ کی امیدیں پوری نہ کر سکے، بے قرار کہ ہجر میں تپاں ہو، جگر چاک کہ محروم تسلی ہو، اشک بار کہ دیدۂ تر رواں ہو۔ اس مفہوم کو غنچۂ گل، برقِ تپاں اور سحاب برسانے والے بادل کی تشبیہات سے ہجر میں دلِ عاشق پر صادق ہونے والے احوال کو ایسا مناسب پرویا کہ وضاحت اور گہرائی سوزش و خوشی کا ملا جلا احساس ابھرتا جاتا ہے۔

دل بستہ، بے قرار، جگر چاک، اشک بار
غنچہ ہوں، گل ہوں، برقِ تپاں ہوں، سحاب ہوں
باغ میں شکرِ وصل تھا، ہجر میں ہاے ہاے گل
کام ہے ان کے ذکر سے، خیر وہ یوں ہوا کہ یوں

باغ، سرو، قمری، گونجنا، چہچہانا، نسیم، ہوا، جانِ غم زدہ، سوزشِ غم، کسی جانِ غم زدہ سوزش میں مبتلا کے لیے آرام دہ جگہ باغ ہی ہے، جب ٹھنڈی ٹھنڈی، بھینی بھینی نسیم و صبا سے دل یوں ہی کھلتے چلے جاتے ہیں، جیسے صبح کو بستہ کلیاں اور غنچے۔ ان مناسبات کو عشق اور دیدار، یادِ محبوب، ذکرِ دیارِ محبوب اور دوری میں تڑپنا ذکرِ محبوب سے اور دیدارِ حبیب سے دلِ غم زدہ کا کھل اٹھنا کے مفاہیم کو ادا کرنے کے لیے رضا بریلوی نے استعمال فرمایا ہے چمن کے احوال کو۔

باغِ عرب کا سروِ ناز دیکھ لیا ہے ورنہ آج
قمریِ جانِ غم زدہ گونج کے چہچہائی کیوں؟
نامِ مدینہ لے دیا، چلنے لگی ہواے خلد
سوزشِ غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں؟

الغرض رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے گلشن، گل، بلبل، عندلیب، قمری، سروِ جاں، غزل، کلی، باغ، خار دشت، نسیم، چمن، صبح کے وقت کی بہار، جوبن، مہک اٹھنا، خوشبوے کوے دوست جیسی اشیا کے تصورات سے نہایت بلند تخیل ترتیب دیے ہیں اور ان تمام تشبیہات سے اسلامی عقائد، مرتبۂ رسالت، عقیدۂ ختمِ نبوت، نعتِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، ذکرِ الٰہی، ذکرِ حبیب دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، ذکرِ شانِ اہلِ بیت، ذکرِ شہادتِ سیدنا امام حسین، ذکرِ شانِ فاطمۃ الزہرا، اہلِ عرب کی فضیلت، دیارِ عرب کی فضیلت، حبِ صحابۂ کرام، حبِ اہلِ اسلام، ذکرِ شانِ ملائکہ، اپنی خطاؤں کی معافی کی طلب، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی طلب، شانِ شفاعت جیسے مفاہیم کو ادا کیا ہے۔ جب کہ نعت شریف کہنے والے شعرا باوجود صفائی اور پاکی اور الفت و علم کے اس طرح کی وسعتِ تخیل تک نہیں پہنچ سکے۔ گل و گلشن کے استعاروں میں جس طرح تصرف، رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے اور جس طرح انھوں نے خالص اسلامی مفاہیم کو اس میں ادا کیا ہے، یہ ان کا کمال ہی نہیں بلکہ شاعری میں عبقری ہونے کی دلیل ہے۔ ذیل میں کچھ اور اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

وہ سوے لالہ زار پھرتے ہیں　　تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل دیے ہیں، کوچے بسا دیے ہیں
غنچے ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبلِ سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے، کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
ترا قد تو نادرِ دہر ہے، کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں، کہ چمن میں سروِ چماں نہیں

نہیں جس کے رنگ کا دوسرا، نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا
کہو اس کو گل کہے کیا کوئی کہ گلوں کا ڈھیر کہاں نہیں

جس نخلِ پاک میں ہیں چھیالیس ڈالیاں
اک شاخ ان میں سے ہے بنامِ ابوالحسین

چمنِ طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکنِ ناز پہ وارے گیسو

بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو

زمانہ حج کا ہے جلوہ دیا ہے شاہد گل کو
الٰہی طاقتِ پرواز دے پر ہائے بُلبل کو

اے خارِ طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

اِس طرف روضہ کا نور، اُس سمت منبر کی بہار
بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ وا

کیا مدینے سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج
کچھ نئی بو بھینی بھینی پیاری پیاری واہ وا

کوچۂ گیسوے جاناں سے چلے ٹھنڈی نسیم
بال و پر افشاں ہوں یارب بلبلانِ سوختہ

آتشِ گل ہاے طیبہ پر جلانے کے لیے
جان کے طالب ہیں پیارے بلبلانِ سوختہ

گل کھلے گا آج یہ ان کی نسیمِ فیض سے
خون روتے آئیں گے ہم مسکراتے جائیں گے

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
گلزارِ قدس کا گلِ رنگیں ادا کہوں
درمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے

انھیں کی بو مایۂ سمن ہے، انھیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انھیں سے گلشن مہک رہے ہیں، انھیں کی رنگت گلاب میں ہے
وہ گل ہیں لب ہاے نازک اُن کے، ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل، یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

ترا قدِ مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے
اسے بو کر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے
ابوبکر و عمر، عثمان و حیدر جس کے بلبل ہیں
ترا سروِ سہی اس گلبنِ خوبی کی ڈالی ہے

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے
کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے

مقصود یہ ہیں آدم و نوح و خلیل سے
تخمِ کرم میں ساری کرامت ثمر کی ہے

ظاہر میں میرے پھول، حقیقت میں میرے نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا بوالبشر کی ہے

یہ پیاری پیاری کیاری ترے خانہ باغ کی
سرد اس کی آب و تاب سے آتش سقر کی ہے

بجا جو تلوؤں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولھا کی پائی اترن، وہ پھول گلزارِ نور کے تھے
وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا
گرہ میں کلیوں کے باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے

گل و غنچہ کے استعارے اور نادر تشبیہات اردو شاعری میں سب سے زیادہ حکیم مومن خاں مومن دہلوی نے استعمال کیے ہیں، مگر رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے نعت کے میدان میں چمن و گلستاں و گل و غنچہ، عندلیب و باغ کے استعاروں سے نوع بہ نوع معانی پیدا کیے ہیں۔

ہمارے اس شاعر کا اردو زبان پر احسان ہے اور انھوں نے جن تخیل کی بلندیوں تک اپنی فکر کو پہنچایا ہے اس سے نعت کا ادب عالمی ادب کے میدان میں عظیم مقام کا مستحق ہوتا ہے۔ بہت سے حضرات نے آپ کی شاعری پر ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ مگر اب بھی ان کی شاعری کے بہت سے ایسے گوشے ہیں جن سے پردہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

یہ چند صفحات جو میں نے باکمال شاعری کے تعلق سے تحریر کیے، صرف محبت اور عقیدت کے پھول ہیں۔ ورنہ ہمارا تو حال یہ ہے کہ نہ کوئی ذوق، نہ کوئی علم، یہ کام تو بڑے تنقید نگاروں کا ہے، محققین کا ہے، علمِ عروض و قافیہ کی خوبیاں، معانی و بیان، بدیع کے کمالات، تاثیر اسلوب، دوسرے شعرا سے موازنہ کے طور پر مطالعہ، نئی ترکیبوں کی ایجاد، نئے مفہوم کا ادا کرنا، زبان کی صفائی، اصلاح، بہت سے میدان ہیں، ابھی ہمارے اس شاعر کی شاعری میں تحقیق کے لیے۔

☆☆☆☆☆

تحقیقی نقطۂ نظر

علوم حدیث میں امام ابوحنیفہ کا مسلک

مولانا کوثر امام قادری

رئیس المجتہدین، سید المحدثین، کشف الغمۃ، سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ جس طرح دنیاے فقہ واجتہاد میں یکتاے روزگار ہیں اسی طرح فن حدیث میں بھی درجۂ امامت پر فائز ہیں۔ جہاں دیگر ائمۂ مجتہدین کی طرح آپ نے استخراج مسائل کے قواعد وضوابط مقرر کیے اور کتاب وسنت کی روشنی میں ہزاروں جزئیات مستنبط فرمائے وہیں علم حدیث کے تمام شعبوں میں کچھ بنیادی اصول وضع کیے جو دوسرے محدثین کے لیے معاون ومددگار ثابت ہوئے۔

چوں کہ آپ کے تلامذہ نے فقہی مسائل کو کتب ورسائل کی شکل میں جمع کر دیا جو آگے چل کر آپ کے مذہب کے نام سے متعارف ہوا لیکن علم حدیث کے باب میں آپ کے اقوال وفرامین کو جمع نہ کر سکے، جس کے سبب عام لوگ علمِ حدیث میں آپ کے مسلک کو جاننے سے محروم ہو گئے اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ نادان لوگ کہنے لگے کہ امام ابوحنیفہ علم حدیث میں کورے تھے، حدیث نہیں جانتے تھے اور آپ کے جملہ مسائل قیاس وعقل کا نچوڑ وچربہ ہیں۔ حالاں کہ تھوڑی سی توجہ کے ساتھ کتب حنفیہ اور دیگر انصاف پسند محدثین کی تالیفات کا مطالعہ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ امام اعظم کی محدثانہ بصیرت اور فن حدیث میں آپ کا بلند مقام ومرتبہ نہ سمجھ میں آئے۔

ہاں فن فقہ میں آپ کے مذہب کو جو مقبولیت حاصل ہوئی علم حدیث میں آپ کا مسلک اتنا مشہور ومقبول نہ ہوا، اس کی وجہ روایت حدیث میں آپ کی شدت نہیں بلکہ آپ کی احتیاط پسندی تھی۔ جب کہ دوسرے محدثین کے اصول وضوابط کافی شہرت پذیر ہوئے۔ اس کا سبب علم حدیث میں ان کی سہل پسندی تھی۔ تاہم حضرت امام کی شدت میں جو فوائد مضمر تھے، اہلِ نظر اس کا انکار نہیں کر سکتے۔

مجھے معلوم ہے کہ جہالت سے لبریز علمی یتیم خانوں میں قندیلِ صداقت روشن ہو جائے پھر بھی تاریک پسند فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مگر جن کے دلوں میں شمعِ حقائق فروزاں ہے ان کی نگاہیں ٹھنڈی ہوں گی اور عقیدت امام بالیدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے گی۔

اسی جذبہ کے تحت متعدد کتابوں میں بکھری ہوئی امام اعظم کے چند افادات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تا کہ اس کے ذریعہ علم حدیث میں امام اعظم کا مسلک معلوم کیا جا سکے اور یہ بھی پتہ چل جائے کہ ائمۂ حدیث نے امام اعظم کے اقوال و فرمودات پر کتنا بھروسا کیا ہے:

جرح و تعدیل: علم حدیث کے تمام شعبوں میں سب سے اہم شعبہ فن جرح وتعدیل ہے، کیوں کہ اس کے ذریعہ صحیح وضعیف میں امتیاز ہوتا ہے، یہی وہ چیز ہے جو شریعت کو صحیح وغلط کا مجموعہ ہونے سے روکتی ہے۔

ڈاکٹر اقبال احمد اسحاق نے اس کی ضرورت پر یوں تبصرہ کیا ہے:

> ''جرح وتعدیل کا اصل مقصد شریعت کی حفاظت کرنا۔ ہر طرح کی فتنہ سامانیوں سے اس کو پاک رکھنا، مدخول چیزوں سے محفوظ رکھنا ہے۔ اس سے نہ کسی کی عیب جوئی کرنا مقصد ہے نہ کسی کی خوش نودی حاصل کرنا بلکہ اس کا مقصد اظہار حقیقت کرنا ہے تا کہ اس کی روشنی میں افادیت رسول کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کی جا سکے۔''

(فن جرح وتعدیل، اقبال، ص:179)

اس اہم میدان میں وہی قدم رکھ سکتا ہے جس کے اندر اس کی اہلیت ہو۔ نا اہل اگر کسی راوی پر کلام کرے تو اس کی بات قابلِ رد وابطال ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے جارح ومعدل کے لیے متعدد شرطیں بیان کی ہیں۔

استاذ دارالعلوم قدوسیہ پرسونی بازار، مہراج گنج

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

> ''جرح وتعدیل اسی سے قبول کیا جائے جو عادل اور چاک وچوبند ہو۔''

نیز فرمایا:

> ''اس فن میں گفتگو کرنے والے کو جرح وتعدیل میں تساہل پسندی سے ڈرنا چاہیے۔ اس لیے کہ تساہل پسند شخص سے خطرناک غلطی کا امکان ہو سکتا ہے۔ وہ ثقہ کو ضعیف اور ضعیف کو ثقہ قرار دے سکتا ہے۔'' (نزہۃ النظر، ص:135)

امام ذہبی فرماتے ہیں:

> ''اگر تم اپنے آپ کو سمجھ دار، سچا، امانت دار اور پرہیز گار سمجھتے ہو تو یہ کام کرنے کی جرأت کرو اور اگر ایسا نہیں تو بلا وجہ پریشان مت ہو۔ اگر خواہش نفس، تعصب وتنگ نظری اور مذہب پرستی تم پر غالب ہے تو براے مہربانی اس کام کے لیے تکلیف نہ اٹھاؤ۔'' (تذکرۃ الحفاظ، ج:اول، ص:4)

امام سبکی فرماتے ہیں:

> ''جارح کا جرح اگر مفسر بھی ہو تو بھی قابل قبول نہیں اگر یہ پتہ چل جائے کہ یہ عصبیت یا دنیاوی چپقلش کی بنیاد پر کی گئی ہے۔''

(طبقات الشافعیہ: ج:اول، ص:188)

علامہ ابن جماعۃ فرماتے ہیں:

> ''جو شخص اسباب کو نہیں جانتا ہے، اس کی جرح و تعدیل مقبول نہیں۔''

(الرفع والتکمیل، ص:98)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

> ''اگر جرح وتعدیل اسباب جاننے والے کی طرف سے صادر نہ ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔''

(نزہۃ النظر، ص:134)

> راوی پر کلام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کلام عرب، اس کے محاورات، الفاظ کے مدلولات اور خاص طور سے عرفی کلمات کے معنی ومفہوم کا عارف ہو تا کہ جرح وتعدیل کے لیے مناسب کلمہ استعمال کر سکے۔ ایسا نہ ہو کہ بہت زیادہ مبالغہ اور شدت یا نرمی ہو جائے، یا مدلول پر دلالت نہ کرے۔''

(قاعدہ فی الجرح والتعدیل، ص:52)

مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوا کہ حقیقی معنوں میں جارح و معدل وہی ہو سکتا ہے جو فی نفسہ عادل، ثقہ، بیدار مغز، متقی، پرہیز گار، سچا دیانت دار، خواہش نفس وتنگ نظری سے دور، گروہی تعصب، دنیاوی چپقلش سے پاک، اسباب جرح وتعدیل کا عالم، کلام عرب، محاورات عرب، مدلولات، الفاظ وعرف کا عارف ہو۔ جس کے اندر یہ صفات پائی گئیں، اہل فن نے اسی کا قول قبول کیا اور جو ان صفتوں میں سے کسی ایک سے بھی عاری ہوا اس کی بات رد کر دی گئی۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اس فن میں قبول کیا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے اندر یہ ساری صفات موجود تھیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ امام اعظم نے کن کن راویوں پر کلام فرمایا ہے، کون آپ کے نزدیک ثقہ ہے اور کس کی آپ نے تضعیف کی ہے۔

قولِ اول: مشہور راوی عطا بن ابی رباح اور جابر جعفی کے بارے میں فرمایا:

> "ما رأيت اكذب من جعفر الجعفى ولاافضل من عطاء." (تهذيب التهذيب، ج:2، ص:48)

اس میں جابر کی تضعیف اور عطا کی توثیق ہے۔ امام ترمذی نے اپنی تصنیف كتاب العلل میں امام صاحب کا قول بطور استدلال پیش کیا ہے۔

قولِ دوم: حضرت امام سفیان ثوری کے بارے میں فرمایا، جسے امام بیہقی نے بہ سند اتصال نقل کیا ہے:

> "عن عبد الحميد الحمان سمعت ابا سعد الصنعانى و قام الىٰ ابى حنيفة فقال يا ابا حنيفة! ما تقول فى الاخذ عن الثورى؟ فقال اكتب عنه فانه ثقة ما خلا احاديث ابى اسحاق عن الحارث و حديث جابر الجعفى." (الجواهر المضية، ج:اول، ص:30)

اس میں امام سفیان ثوری کی توثیق ہے۔

قولِ سوم: زید بن عیاش کے بارے میں فرمایا:

"انه مجهول." (تهذیب التهذیب، ج:3، ص:424)

اس راوی کے بارے میں ابن عبدالبر، ابن حزم، طبری، عبد الحق، طحاوی وغیرہ نے امام اعظم کا فیصلہ قبول کیا ہے اور تقریباً امام بخاری و مسلم بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں، جیسا کہ امام حاکم کی روایت سے پتہ چلتا ہے: والشیخان لم یخرجاه لما خشیا من جهالة زید بن عیاش شیخین نے زید بن عیاش کے مجہول ہونے کے اندیشے سے اسے روایت نہیں کیا۔

(تهذیب التهذیب، ج:3، ص:424)۔

قولِ چہارم: ایک راوی طلق بن حبیب ہے۔ امام اعظم نے اس کی تضعیف کرتے ہوئے فرمایا:

"طلق بن حبیب کان یری القدر."

(الجواهر المضیة، ج:اول، ص:30)

آپ کے اس قول و جرح کو کثیر ائمہ نے قبول کیا ہے۔

امام ابو حاتم نے کہا:

"کان یری الرجاء."

ابن سعد نے کہا:

"کان مرجیا ثقة ان شاء الله تعالیٰ."

ازدی نے کہا:

"کان داعیة الیٰ مذهبه ترکوه."

(تهذیب التهذیب، ج:5، ص:31)

قولِ پنجم: امام جعفر محمد بن صادق کے بارے میں فرمایا:

"ما رأیت افقه من جعفر بن محمد."

(تذکرة الحفاظ، ج:اول، ص:157)

قولِ ششم: عمرو بن عبید کے بارے میں فرمایا:

"لعن الله عمرو بن عبید فانه فتح للناس باباً امی علم الکلام."

(الجواهر المضیة، ج:اول، ص:31)

قولِ ہفتم: جہم بن صفوان اور مقاتل بن سلیمان کے بارے میں فرمایا:

"قاتل الله جهم بن صفوان و مقاتل سلیمان هذا افرط فی النفی و هذا افرط فی التشبیه." (الجواهر المضیة، ج:اول، ص:31)

قولِ ہشتم: ربیعہ اور ابو زناد کے بارے میں فرمایا:

"رایت ربیعة و ابو الزناد افقه."

(تذکرة الحفاظ ترجمه ابو زناد)

امام اعظم کی شان فن اسماء الرجال میں سمجھنے کے لیے یہ عبارت ملاحظہ کریں۔ ابو سلیمان الجوز جانی نے کہا:

"سمعت حماد بن زید یقول ما عرفنا کنیة عمرو بن دینار الابابی حنیفة کنا فی المسجد الحرام و ابو حنیفة مع عمرو بن دینار فقلنا له یا ابا حنیفة کلمة یحدثنا فقال یا ابا محمد حدثهم."

(الجواهر المضیة، ج:اول، ص:30)

میں نے حماد بن زید سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمیں عمرو بن دینار کی کنیت کا علم نہ تھا۔ ابو حنیفہ کے ذریعہ ہمیں ان کی کنیت کا علم ہوا۔ ایک بار ہم مسجد حرام میں تھے ابو حنیفہ عمرو بن دینار کے پاس ہی تھے۔ ہم نے امام صاحب سے کہا کہ آپ ان سے کہیے کہ حدیث بیان کریں۔ آپ نے ان سے فرمایا، اے ابو محمد، ان کو حدیث سناؤ۔

یہ حماد بن زید کون ہیں۔ ان کی شان عظمت سمجھنے کے لیے امام عبدالرحمٰن ابن مہدی کا یہ قول پڑھیے:

"میں نے ان سے زیادہ سنت کا جانکار نہیں دیکھا۔" (تذکرة الحفاظ، ج:اول، ص:325)

امام اعظم نے جس راوی کے بارے میں جو فرما دیا، بعد والوں کے لیے وہی حرف آخر ثابت ہوا، اس لیے سارے قائدین نے ان کے اقوال کو انشراح صدر کے ساتھ قبول فرمایا۔

حافظ عبدالقادر قرشی فرماتے ہیں:

"اعلم ان الامام ابا حنیفة قد قبل قوله فی الجرح والتعدیل و تلقوه عنه علماء هذا الفن و عملوا به." (الجواهر المضیة، ج:اول، ص:30)

جرح و تعدیل کے باب میں امام اعظم کی بات قبول

کی گئی ہے اور اس فن کے علما نے اسے اپنایا ہے اور اس پر عمل پیرا ہوئے ہیں۔

عرض و سماع سے متعلق امام نووی فرماتے ہیں:

"سماع الشیخ و هو املاء غیره من حفظ و من کتاب." (تقریب النووی، ص:239)

سماع یہ ہے کہ شیخ شاگرد کو اپنی یادداشت سے یا کتاب سے سنائے یا املا کرائے۔

عرض کے متعلق حافظ ابن کثیر نے لکھا:

"القرائة علی الشیخ حفظا او من کتاب وهو العرض عند الجمهور."

(اختصار علوم الحدیث، ص:110)

شاگرد اپنے شیخ کے سامنے یادداشت سے یا کتاب سے دیکھ کر پڑھے، جمہور کے نزدیک یہ عرض ہے۔

روایت حدیث کے یہ دونوں طریقے غیر مختلف فیہ ہیں، ان کی صحت پر سب کا اتفاق ہے۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ یہ دونوں طریقے برابر ہیں یا ان میں کوئی اعلیٰ ہے اور کوئی کم درجہ کا تو اس سلسلے میں امام اعظم کا مسلک ملاحظہ کریں۔

مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ فرماتے تھے کہ:

"میں استاذ کے روبرو پڑھوں تو مجھے یہ زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ استاذ پڑھے اور میں سنوں۔" (الکفایة فی علوم الروایة، ص:276)

حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ فرماتے تھے:

"تمہارا محدث کے سامنے پڑھنا اس سے سننے کے مقابلے میں زیادہ ثابت ہے اور موکد ہے کیوں کہ جب استاذ تمہارے سامنے پڑھے تو وہ صرف کتاب ہی سے پڑھے گا اور جب تم پڑھو گے تو وہ کہے گا کہ میری جانب سے وہ بیان کرو جو تم نے پڑھا ہے، اس لیے یہ مزید تاکید ہوگی۔"

(اختصار علوم الهدیث، ص:110)

حافظ ابن الصلاح نے امام اعظم کا مسلک یوں بیان کیا:

"فنقل عن ابی حنیفة و ابن ابی ذئب وغیرهما ترجیح القراء ة علی الشیخ علی السماع من لفظه." (مقدمة ابن الصلاح، ص:52)

امام ابو حنیفہ اور امام ابن ابی ذئب نے قراء ة علی الشیخ کو سماع پر ترجیح دی ہے۔

انداز تعبیر: یہ تو واضح ہے کہ شاگرد استاذ سے سنی ہوئی روایت کو بیان کرتے وقت حدثنا یا اخبرنا کہے گا، لیکن قراء ة علی الشیخ یعنی خود استاذ کے سامنے پڑھا ہے پھر اسے کسی اور سے روایت کرے تو اسے کن لفظوں میں بیان کرے گا اور انداز تعبیر کیا ہوگا تو اس صورت میں متفقہ فیصلہ تو یہی ہے کہ اسے قراء ة علیه یا قریٔ علیه و انا اسمع کہنا چاہیے۔ لیکن ایسی صورت میں حدثنا یا اخبرنا جیسے الفاظ استعمال کرنا درست ہوگا یا نہیں تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ روایت کے وقت حدثنا سے تعبیر کر سکتا ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

"میں نے امام اعظم سے دریافت کیا کہ ایک شخص جس نے محدث کو حدیث سنا کر حاصل کی ہے، کیا اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ حدثنا کہے؟ فرمایا، ہاں اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ یہ کہے کہ حدثنی فلان اور سمعت فلاناً۔ اور اس کا یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کے سامنے اقراری دستاویز کو پڑھا جائے اور کہہ دے کہ اس نے میرے سامنے اس دستاویز کے سارے مندرجات کا اقرار کیا ہے۔" (الکفایة فی علوم الروایة، ص:307)

امام ابو عاصم النبیل کہتے ہیں کہ:

"میں نے امام مالک، ابن جریج، سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ سے دریافت کیا کہ ایک شخص اگر شیخ کے سامنے حدیث پڑھ رہا ہے تو کیا اسے نقل و روایت کے موقع پر حدثنا کہنا درست ہے؟ سب کا متفقہ جواب یہ تھا کہ کوئی حرج نہیں۔"

(الکفایة فی علوم الروایة، ص:307)

معروف محدث یحییٰ بن ایوب نے فرمایا:

"میں نے ابو قطن سے سنا ہے، وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے امام ابو حنیفہ نے کہا، میرے سامنے پڑھو اور

حدثنا کہو۔ اگر میرے خیال میں اس میں کوئی حرج ہوتا تو میں ایسا کہنے کا تمھیں ہرگز حکم نہ دیتا۔" (الکفایة فی علوم الروایة، ص:307)

عرض مناولہ کا مقام: مناولہ یہ ہے کہ محدث طالب کو اپنی مسموعات پر مشتمل کتاب دے اور کہہ دے کہ تم اس کو میری جانب سے روایت کرو، یا طالب کو کتاب کا مالک بنا دے، یا لکھنے کے لیے کتاب عاریۃً دے دے۔ طالب شیخ کے پاس اپنی مسموعات کی کتاب لے کر آئے، شیخ اسے دیکھ کر طالب کو کہہ دے کہ تمھیں اس کتاب کی مشتملات کی میری جانب سے اجازت ہے۔ اس کو عرض المناولہ کہتے ہیں۔

(امام اعظم اور علم الحدیث، ص:554)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شکل کی روایت کا مقام کیا ہے؟ بعض لوگوں نے عرض مناولہ کو سماع کے مساوی قرار دیا ہے۔ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ اور چند دوسرے محدثین کا یہ کہنا ہے کہ عرض مناولہ کا درجہ سماع اور قراءۃ علی الشیخ کے درجے سے کم تر ہے۔

حافظ ابن الصلاح نے فرمایا:

"والصحیح انها منحطة عن السماع والقراء ة و هو قول الثوری والا وزاعی و ابن المبارک و ابی حنیفة."

(مقدمه ابن الصلاح، ص:53)

اور صحیح یہی ہے کہ عرض مناولہ کا مقام سماع اور قراءۃ علی الشیخ سے نیچے ہے۔ یہی ثوری، اوزاعی، ابن مبارک اور امام ابوحنیفہ کا کہنا ہے۔

امام حاکم کہتے ہیں:

"اما فقهاء الاسلام الذین افتوا فی الحلال والحرام فانهم لم یروه سماعاً منهم الشافعی والاوزاعی و ابو حنیفة والثوری و ابن حنبل و ابن المبارک."

(معرفة علوم الحدیث، ص:206)

فقہائے اسلام کو حلال وحرام کا فتویٰ دیتے ہیں وہ عرض مناولہ کو سماع قرار نہیں دیتے، جیسے شافعی، اوزاعی، ابوحنیفہ، ابن حنبل، ابن مبارک۔

حدیث شاذ: محدثین نے چار قسم کی حدیثوں کو مقبول کہا ہے: (1) صحیح لذاته، (2) صحیح لغیره، (3) حسن لذاته، (4) حسن لغیره۔

علامہ نووی نے حدیث صحیح لذاتہ کی یوں تعریف کی ہے:

"هو ما اتصل سنده بالعدول الضابطین من غیر شذ و ذ ولا علة."

(تقریب مع تدریب، ج:اول، ص:63)

جس حدیث کی سند متصل ہو اور اس کے راوی عادل و تام الضبط ہوں اور وہ حدیث غیر شاذ اور غیر معلل ہو۔

حدیث صحیح میں جہاں اتصال سند راوی کا عادل وضابط ہونا ضروری ہے، وہیں شذوذ وعلت سے پاک ہونا بھی لازمی ہے۔ اگر شذوذ وعلت میں سے کوئی ایک چیز آ گئی تو وہ حدیث صحت کے معیار سے گر جائے گی، اس لیے شاذ کیا ہے، ذرا اسے دیکھیں:

حافظ ابو یعلی الخلیلی نے کہا:

"والذی علیه الحفاظ الشاذ ما لیس له اسناد واحد یشذ به ثقة و غیر ثقة."

(اختصار علوم الحدیث، ص:57)

حفاظ کے نزدیک شاذ یہ ہے کہ اس کی صرف ایک ہی سند ہو اور اس طرح ثقہ یا غیر ثقہ اس میں شذوذ پیدا کر رہا ہو۔

امام حاکم نے شاذ کی یہ تعریف کی:

"هو الذی ینفرد به الثقة ولیس له متابعة." (معرفة علوم الحدیث، ص:119)

ثقہ راوی کا ایسا منفرد بیان جس کا متابع کوئی نہ ہو، شاذ ہے۔

شاذ کی مذکورہ تعریف سے ہٹ کر امام شافعی نے یوں تعریف کی ہے:

"شاذ یہ نہیں ہے کہ ثقہ راوی کوئی ایسی حدیث روایت کرے جس کو اس کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا، بلکہ شاذ یہ ہے کہ ثقہ راوی ایسی حدیث روایت کرے جو عام لوگوں کی روایت کے مخالف ہو۔"

(توضیح الافکار، جلد:اول، ص:377)

حدیث شاذ کے باب میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک کیا ہے، اسے تفصیل کے ساتھ حافظ ابن عبدالبر نے بیان فرمایا ہے، اور جن لوگوں نے حضرت امام پر رد حدیث کا الزام لگایا ہے، ان کی تردید بھی خوب کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"کثیر من اهل الحدیث استجاز والطعن علی ابی حنیفة لرده کثیراً من اخبار الاحاد العدول لانه کان یذهب فی ذالک الی عرضها علی ما اجتمع علیه من الاحادیث و معانی القرآن فما شذ من ذلک رده و سماه شاذاً."

(الانتقاء عبد البر، ص:42/الموافقات، ج:2ص:24)

بہت سے محدثین نے امام اعظم پر اس لیے اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے بہت سے ثقہ شخصوں کی حدیثوں پر عمل نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب کا دستور یہ تھا کہ وہ خبر واحد کو اس باب کی دوسری حدیثوں اور معانی قرآن کے مجموعہ سے ملا کر دیکھتے، اگر خبر واحد کا مضمون ان کے مطابق ہوتا تو اس پر عمل کر لیتے ورنہ اسے قبول نہ کرتے اور اس کا نام شاذ رکھتے۔

امام اعظم کے شاگرد رشید قاضی امام ابو یوسف کے بیان سے بھی اس کی بھرپور تائید ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"فایاک و شاذ الحدیث و علیک بما علیه الجماعة من الحدیث و ما یعرفه الفقها ما یوافق الکتاب والسنة."

(الرد علی سیر الاوزاعی، ص:105)

یعنی حدیث شاذ وہ ہے جو کتاب وسنت کے موافق نہ ہو اور فقہا مجتہدین کے درمیان معروف نہ ہو۔

روایت بالمعنی: یوں تو متعدد علمائے اسلام نے صراحت فرمائی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ روایت بالمعنی کے جواز کے قائل تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ روایت بالمعنی کے جواز کے نہیں بلکہ عدم جواز کے قائل تھے، چناں چہ محدث اعظم محقق اسلام حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"حاصله انه لم یجوز الروایة بالمعنیٰ ولو کان مرادفاً للمعنیٰ." (شرح مسند امام اعظم، ص:3)

امام اعظم روایت بالمعنی کو ناجائز کہتے ہیں، چاہے وہ مرادف الفاظ ہی میں کیوں نہ ہو۔

نوٹ: تفصیل کے لیے راقم الحروف کا مضمون "روایت حدیث کے مناہج" مطالعہ کریں۔

خبر احاد: اخبار احاد کے سلسلے میں امام اعظم کا مسلک جاننے سے پہلے امام طحاوی کا یہ نظریہ ملاحظہ کریں۔ آپ فرماتے ہیں

"خلاصہ یہ ہے کہ حدیث جب شریعت کے موافق ہو، قرآن اس کا مصدق ہو اور آثار اس کے مؤید ہوں تو ایسی حدیث کی تصدیق واجب ہے۔ لیکن حدیث اگر شریعت کے خلاف ہو، قرآن اس کی تکذیب کرتا ہو تو ایسی حدیث کا رد کرنا ضروری ہے اور یہ اس بات کی کھلی نشانی ہے کہ یہ فرمان نبی نہیں ہے۔"

(المعتصر، ص:462)

حافظ عبدالبر نے امام اعظم کا مسلک اس طرح بیان کیا ہے:

"امام اعظم اخبار احاد کو اپنے یہاں جمع کردہ حدیثوں اور معانی قرآن پر پیش فرماتے تھے۔ ان حدیثوں میں سے جو اپنے معنی میں منفرد ہوتی تھیں ان کو ترک کر دیتے اور ان کا نام شاذ رکھتے۔" (الانتقاء، ص:149)

معلوم ہوا کہ اگر خبر احاد دیگر احادیث کے خلاف نہ ہو، معانی قرآن کے مخالف نہ ہو تو وہ بلاشبہ قابل قبول وعمل ہے۔

تفصیل کے لیے راقم الحروف کا مضمون "خبر احاد کی شرعی حیثیت" دیکھیں۔

حدیث ضعیف: حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں حسن اور صحیح کی حفاظت نہ ہو۔ (تقریب، ص:50)

امام اعظم کا مسلک بیان کرتے ہوئے حافظ ابن القیم نے کہا:

"اصحاب ابی حنیفة مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث اولی عنده من القیاس والرای." (اعلام الموقعین، ج:اول، ص:82)

ابوحنیفہ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک...... (باقی ص:10 پر)

شعاعیں

امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن-کنزالایمان

اور اس کی ترویج واشاعت میں دعوتِ اسلامی کا کردار

محمد آصف عطاری مدنی

قرآنِ مجید فرقانِ حمید اللہ ربُّ العزت کا ایسا عظیم الشان کلام ہے جس کا ایک حرف پڑھنے پر 10 نیکیوں کے ثواب کا وعدۂ جلیلہ ہے۔ قرآنِ پاک کا نزول عربی زبان میں ہوا لہٰذا دیارِ عرب کے باشندوں کو اس کا پیغام سمجھنے کے لئے کسی مترجم کی حاجت نہ تھی۔ لیکن جب اسلام کا پیغام عرب کی سرحدوں کو عبور کرتا ہوا دُنیا بھر میں عام ہونا شروع ہوا تو عربی زبان سے ناواقف قوموں کو اسے سمجھنے کے لئے مادری زبان کا سہارا لینا پڑا، چنانچہ فارسی زبان سے تراجمِ قرآن کا سلسلہ شروع ہوا جو تادمِ تحریر اُردُو، انگلش، فرانسیسی، بنگلہ، سندھی، گجراتی، پشتو، پنجابی سمیت 100 سے زائد زبانوں تک پھیل چکا ہے۔ کئی زبانیں تو ایسی ہیں کہ ایک سے زائد تراجم موجود ہیں، اُردو ہی کو لیجئے تو اب تک متعدد تراجم منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ ان تراجم میں جو فضل وکمال چودھویں صدی ہجری کے مجدّدِ دین وملت، امام اہلسنّت، پروانۂ شمعِ رسالت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے ترجمۂ قرآن موسوم بہ ''کنزالایمان'' کو حاصل ہے، اسی کا حصہ ہے۔ ترجمہ کرنا اتنا آسان نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے کیونکہ ترجمہ اصل کتاب کا گویا وجودِ ثانی ہوتا ہے۔ پھر کتاب اللہ کا ترجمہ کرنا تو اور بھی مشکل ہے۔ ترجمۂ قرآن کو معتبر قرار دینے کے لئے عموماً اِن اُمور کو پیش نظر رکھا جاتا ہے: (1) مترجم کی وجاہت علمی (2) اندازِ بیان کی شُستگی (3) حقِ ترجمانی کی ادائیگی (4) شریعت کی پاسداری۔ الحمدللہ عزوجل کنزالایمان میں یہ سب باتیں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ صاحبِ کنزالایمان اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن عقائد، کلام، تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصول فقہ، تصوف، سلوک، ادب، لغت، تاریخ، مناظرہ، تکسیر، توقیت، ہیئت جیسے 55 سے زائد علوم پر عبور رکھنے والے ماہر عالم ومفتی اور فقیہ تھے کہ درجنوں نقلی اور عقلی علوم وفنون پر آپ کی سینکڑوں تصانیف موجود ہیں، آپ کی تصانیف مبارکہ میں آپ کی علمی طبیعت، فقہی مہارت اور تحقیقی بصیرت کے جلوے دکھائی دیتے ہیں، بالخصوص آپ کے فتاوٰی کا مجموعہ ''فتاوٰی رضویہ'' تو بحرِ فقہ میں غوطہ لگانے والوں کے لئے آکسیجن کا کام دیتا ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ترجمۂ کنزالایمان میں قرآن پاک کے مطالب ومعانی کو اردو زبان میں منتقل کرنے کے لئے اُن الفاظ ومحاورات کا خصوصیت کے ساتھ استعمال کیا جو آپ کے دور میں رائج تھے۔ ترجمے کا مقصد، مرادِ متکلم کو واضح کرنا ہے نہ کہ محض ایک زبان کے جملے کو دوسری زبان میں بدل دینا، کنزالایمان اس حسن معنوی سے بخوبی آراستہ ہے۔ اپنے تو ایک طرف رہے غیروں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اوّل تا آخر ترجمۂ کنزالایمان میں ایک بھی لفظ خلافِ شریعت نہیں بلکہ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب آیت میں اللہ رب العزت کا ذکر آیا تو ترجمہ کرتے وقت اس کی عظمت وکبریائی پیشِ نظر رہی، اور جب انبیا علیہم السلام کا ذکر آیا تو مقامِ رسالت کے شایانِ شان الفاظ لکھے گئے۔

ترجمۂ کنزالایمان کب اور کیسے؟

کنزالایمان سے پہلے تقریباً 3 اردو تراجم موجود تھے، ان میں سے ایک لفظی ترجمہ تھا جس سے عوام کا مستفید ہونا دُشوار ترین تھا، دوسرا اگرچہ بامحاورہ تھا لیکن زبان وبیان کی قدامت کے باعث عوام کی ذہنی سطح سے قدرے بلند تھا علاوہ ازیں ایک بدمذہب گروہ نے ان ترجموں میں اپنے عقائد کے مطابق کہیں تصرف بھی کردیا تھا جس کی وجہ سے اصل تراجم مفقود تھے، تیسرا ترجمہ ایک ملحد کا تھا جس میں اس نے اپنے نیچری خیالات کو بھی داخل کردیا تھا، اس ترجمے کو پڑھنا ایمان کے لئے زہر قاتل تھا چنانچہ صحیح اور اغلاط سے مُبرّا احادیث نبویہ واقوالِ ائمہ کے مطابق ایک ترجمہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ

رَحمَۃُ رب الْعِزَّۃ کے مرید وخلیفہ صدرالشریعہ بدرالطریقہ حضرت مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ القوی نے غالباً 1330ھ میں ترجمۂ قرآن پاک کے لئے اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحمَۃُ ربِّ الْعِزَّۃ کی بارگاہ عظمت میں درخواست پیش کی تو ارشاد فرمایا: ''یہ تو بہت ضروری ہے مگر چھپنے کی کیا صورت ہوگی؟ اس کی طباعت کا کون اہتمام کرے گا؟ باوضو کاپیوں کو لکھنا، باوضو کاپیوں اور حروفوں کی تصحیح کرنا اور تصحیح بھی ایسی ہو کہ اعراب نقطے یا علامتوں کی بھی غلطی نہ رہ جائے پھر یہ سب چیزیں ہو جانے کے بعد سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ پریس میں ہمہ وقت باوضو رہے، بغیر وضو نہ پتھر کو چھوئے اور نہ کاٹے، پتھر کاٹنے میں بھی احتیاط کی جائے اور چھپنے میں جو جوڑیاں نکلی ہیں انکو بھی بہت احتیاط سے رکھا جائے۔ آپ نے عرض کی: ''اِن شاءَ اللّٰہ جو باتیں ضروری ہیں ان کو پوری کرنے کی کوشش کی جائے گی، بالفرض مان لیا جائے کہ ہم سے ایسا نہ ہوسکا تو جب ایک چیز موجود ہے تو ہوسکتا ہے آئندہ کوئی شخص اس کے طبع کرنے کا انتظام کرے اور مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچانے میں کوشش کرے اور اگر اس وقت یہ کام نہ ہوسکا تو آئندہ اس کے نہ ہونے کا ہم کو بڑا افسوس ہوگا۔'' آپ کے اس معروض کے بعد ترجمہ کا کام شروع کردیا گیا۔ ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحمَۃُ ربِّ الْعِزَّۃ زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدرالشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو لکھتے رہتے لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر ولغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہٗ آیت کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانی سے پڑھتا جاتا ہے۔ پھر جب حضرت صدرالشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحمَۃُ ربِّ الْعِزَّۃ کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے۔ الغرض اسی قلیل وقت میں یہ ترجمہ کا کام ہوتا رہا۔ بِحَمدِ اللّٰہ تعالیٰ صدرالشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مساعیٔ جمیلہ سے خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور ایک سال سے بھی کم مدت میں ''ترجمۂ کنزالایمان'' مکمل ہوگیا۔ یوں آج مسلمانوں کی کثیر تعداد مجدد اعظم، امام اہلسنّت عَلَیْہِ رَحمَۃُ ربِّ الْعِزَّۃ کے لکھے ہوئے قرآنِ پاک کے صحیح ترجمہ ''ترجمۂ کنزالایمان'' سے مستفید ہوکر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (یعنی صدرالشریعہ) کی ممنونِ احسان ہے اور اِن شاءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

آج کی دُنیا: آج دنیا میں ذرائع ابلاغ ایسے تیز رفتار ہوچکے ہیں کہ ساری دنیا ایک گھرانے کی مثل ہوگئی ہے، دُنیا کے کسی گوشے میں کوئی واقعہ ہو، دور دراز کے رہنے والے بھی اسی وقت اس سے آگاہ ہوجاتے ہیں جیسے ایک گھر کے دو کمروں کا معاملہ ہو۔ صبح کے وقت پیدا ہونے والا فتنہ شام تک پل کر ایسا جوان ہوچکا ہوتا ہے کہ اس کا مقابلہ دشوار ہوجاتا ہے۔ ایسے حالات کہ جب اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام دُشمن لوگ مسلمانوں کو ان کا دین سکھانے کے نام پر ایمان کی دولت لوٹنے اور کردار کی عظمت کو داغدار کرنے کی مذموم سعی میں مصروف ہیں، قرآن فہمی کے نام پر مسلمانوں کو قرآنی تعلیمات سے بہت دور لے جارہے ہیں، باطل کو مٹانے کے لئے حق کا اجالا پھیلانے کی جتنی ضرورت آج ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ اس لئے جس سے جو بن پڑے احقاقِ حق کے لئے کوششیں کرے۔ آج کی دنیا دلائل کی دُنیا ہے اس لئے ترجمۂ کنزالایمان کے امتیازی اوصاف کا چرچا کیا جائے تاکہ لوگوں کے دل ودماغ میں ترجمۂ کنزالایمان کی اہمیت راسخ ہوجائے۔ اہمیت کو عام کرنے کے ساتھ کنزالایمان کے نسخوں کو بھی عام کیا جائے، جن زبانوں میں کنزالایمان کا ترجمہ ہوچکا ہے ان کی بھی تشہیر ہونی چاہئے۔

کنزالایمان کو عام کرنے کے ذرائع: اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان کو عوام الناس تک پہنچانے اور ان میں مقبولِ عام بنانے کے لئے درج ذیل ذرائع استعمال کئے جاسکتے ہیں: (1) بیان کے ذریعے (2) تحریر کے ذریعے (3) انفرادی کوشش کے ذریعے (4) مساجد میں رکھ کر (5) ویب سائٹس کے ذریعے (6) تحفۃً دے کر (7) جہیز میں دے کر (8) اسکولز وکالجز اور جامعات (یونیورسٹیز) میں عام کرکے (9) فتاوٰی کے ذریعے (10) جیل خانہ جات میں عام کرکے (11) ٹی وی چینل کے ذریعے (12) مکاتب میں فروخت کرکے۔

﴿1﴾ بیان کے ذریعے: مبلغین یا واعظین جب بھی بیان کریں تو دورانِ بیان پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ کنزالایمان سے پیش کریں اور یہ وضاحت بھی کردیں کہ سیدی اعلیٰ حضرت

امام اہلسنّت شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کنز الایمان میں اس آیت کا ترجمہ کچھ یوں کرتے ہیں یا صرف اتنا کہہ دے کہ ''ترجمۂ کنز الایمان''۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ سننے والوں کو اس کا تعارف ہوجائے گا۔ اگر دورانِ بیان مختصر الفاظ میں کنز الایمان خرید کر پڑھنے کی ترغیب دلا دی جائے تو کچھ نہ کچھ اسلامی بھائی اسے خرید ہی لیں گے یوں کنز الایمان کو عام کرنے میں مدد ملے گی۔

الحمد للہ عزوجل امیرِ اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی مدظلہ العالی کا برسہا برس سے معمول ہے کہ اپنے بیانات میں آیاتِ قرآنیہ کا ترجمہ بالالتزام کنز الایمان ہی سے پیش کرتے ہیں اور سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکرِ خیر اس انداز میں کرتے ہیں کہ سننے والے کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور ترجمہ و مترجم کی اہمیت و عظمت اس پر روشن ہوجائے، ترجمہ بیان کرنے کا انداز یہ ہوتا ہے مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ پارہ نمبر 25 سورہ شوریٰ آیت نمبر 30 میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۝

میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اہلسنّت، ولی نعمت، عظیم البرکت، عظیم المرتبت، پروانۂ شمع رسالت، مجدد دین وملت، حامی سنّت، ماحی بدعت، عالم شریعت، پیرِ طریقت، باعث خیر وبرکت، حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اپنے شہرۂ آفاق ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' میں اس کا ترجمہ کچھ یوں کرتے ہیں:

''اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے
ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا، اور بہت کچھ
تو معاف فرما دیتا ہے۔'' (پارہ 25 الشوریٰ آیت 30)

علاوہ ازیں آپ اپنے بیانات میں وقتاً فوقتاً لوگوں کو کنز الایمان خریدنے کی بھی یوں ترغیب دلاتے رہتے ہیں کہ: ''آپ ترجمۂ قرآن لیں اور ضرور لیں مگر جب بھی لیں صرف کنز الایمان لیں کہ یہ ایک عاشقِ رسول اور ولی کامل کا ترجمہ ہے جس میں دربارِ الٰہی اور بارگاہِ رسالت عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و تقدس کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔'' الحمد للہ دعوتِ اسلامی کے مبلغین بھی آپ دامت برکاتہم العالیہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسی طرح کنز الایمان کا ڈنکا بجانے میں سرگرم ہیں۔

﴿2﴾ تحریر کے ذریعے: کتاب، رسالہ، ماہنامہ، مقالہ یا کوئی مضمون لکھتے وقت تحریر کی جانے والی آیات کا ترجمہ، کنز الایمان سے لکھنے کا التزام کرلیا جائے تو اس قلمی کاوش کو پڑھنے والا ہر شخص ترجمۂ کنز الایمان سے متعارف ہوجائے گا لیکن اس میں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ ترجمہ کی ابتدا میں یا اس آیت کا حوالہ دیتے وقت ترجمۂ کنز الایمان لکھ دیا جائے تاکہ پڑھنے والا آسانی سے سمجھ جائے کہ اس آیت کا ترجمہ کنز الایمان سے لیا گیا ہے نیز کنز الایمان کی اہمیت اور افادیت کو مزید اجاگر کرنے کے لئے باقاعدہ مضامین کی اشاعت بھی بہت کارآمد ہے۔ قبلہ امیرِ اہلسنّت بانی دعوتِ اسلامی دامت برکاتہم العالیہ کی کنز الایمان سے محبت صد مرحبا! تحریر میں بھی آپ کا دستور ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کا ترجمہ التزاماً کنز الایمان ہی سے پیش کرتے ہیں اور اسے واضح بھی کردیتے ہیں۔ اسی طرح سنی علما پر مشتمل دعوت اسلامی کے علمی، تحقیقی اور اشاعتی شعبہ ''المدينة العلمية'' کی تمام کتب میں بھی آیات کا ترجمۂ کنز الایمان سے مع تصریحِ نام پیش کیا جاتا ہے۔ عنقریب ترجمۂ کنز الایمان وتفسیر خزائن العرفان کی تسہیل وتخریج کے کام کا آغاز ہونے والا ہے۔ (الحمد للہ اس شعبہ کے تحت چھ شعبہ جات ہیں جن کی طرف سے 136 کتب طباعت کے مراحل سے گزر کر مقبولِ عام کا درجہ پا چکی ہیں جن میں جد الممتار علی رد المحتار اور بہار شریعت کی تخریج سرفہرست ہے اور 22 کتب عنقریب منظرِ عام پر آجائیں گی۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ عزّوجلّ)

﴿3﴾ انفرادی کوشش کے ذریعے: اپنے ساتھ تعلق رکھنے والے اسلامی بھائیوں چاہے یہ تعلق رشتہ داری کے حوالے سے ہو یا تجارت کے حوالے سے، دوست ہوں یا صرف شناسائی ہو انہیں قرآن پاک کا ترجمہ کنز الایمان پڑھنے کی اہمیت بتا کر ترغیب دی جائے اس طرح کنز الایمان کا تعارف انتہائی مؤثر انداز میں ہوگا۔

﴿4﴾ مساجد میں رکھ کر: اہلسنّت کی تمام مساجد میں ترجمۂ کنز الایمان بھی ہو اس طرح نمازی اسلامی بھائی بھی کنز الایمان پڑھنے کی سعادتوں سے مشرف ہوتے رہیں گے۔ الحمد للہ عزوجل دعوتِ اسلامی کے مَدَنی ماحول میں ہر ذیلی حلقے میں ''المدینہ لائبریری'' کے قیام کا ہدف ہے، اس لائبریری کی مجوزہ کتب میں

سرفہرست کنز الایمان ہے۔ کثیر علاقوں میں ان کا قیام بھی عمل میں آچکا ہے۔ ذیلی حلقہ دعوت اسلامی کی اصطلاح ہے عموماً سنی مسجد کو کہا جاتا ہے جہاں مسجد نہ ہو وہاں کسی مکان یا دوکان کرایہ پر لے کر یا مالک کی اجازت سے مدنی کام کی ترکیب بنائی جاتی ہے صرف پاکستان میں 50 ہزار ذیلی حلقے بنانے کی کوشش ہے اکثر بن چکے ہیں۔ ہر ذیلی حلقے میں روزانہ نمازِ فجر کے بعد اجتماعی طور پر تین آیات کی تلاوت مع ترجمۂ کنز الایمان وتفسیر خزائن العرفان ہوتی ہے۔

﴿5﴾ ویب سائٹ کے ذریعے: جدید ٹیکنالوجی کے اس دور میں انٹرنیٹ نے دنیا کو گلوبل ویلیج بنا دیا ہے۔ اس کے ذریعے ہم اپنا پیغام انتہائی کم وقت میں دنیا کے کونے کونے تک پہنچا سکتے ہیں۔ کنز الایمان کی تشہیر کے لئے انٹرنیٹ کا استعمال بھی بہت مفید ہے۔ اس پر کچھ ایسی ویب سائٹس بنائی جائیں جن پر مکمل قرآن پاک کنز الایمان کے ترجمے کے ساتھ رکھا جائے یا ایسی ویب سائٹس کا لنک دے دیا جائے کہ جن پر ترجمۂ کنز الایمان موجود ہے نیز ای میل کے ذریعے اپنے ساتھ وابستہ اسلامی بھائیوں کو کنز الایمان بھیجنا بھی اس کی اشاعت میں معاون ہوگا۔ الحمد للہ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض سے اِس معاملے میں بھی دعوتِ اسلامی نے اچھی پیش رفت کی ہے۔ دنیا بھر میں ''فیضِ رضا'' اور ''فیضانِ کنز الایمان'' کی دھومیں مچانے کے مقدس جذبے کے پیشِ نظر دعوتِ اسلامی نے اپنی ویب سائٹ پر کنز الایمان شریف اور خلیفہ اعلیٰ حضرت، صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ الہادی کا تفسیری حاشیہ ''خزائن العرفان'' یونی کوڈ میں پیش کیا ہے۔

﴿6﴾ تحفہ دے کر: جب بھی کسی اسلامی بھائی کو خوشی کے موقع پر یا ویسے ہی تحفہ دینے کی ترکیب ہو تو اس میں تنہا یا دیگر تحائف کے ساتھ ترجمۂ قرآن کنز الایمان بھی تحفہ میں دے دیا جائے اس طرح آپ کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا خزانہ آنے کے ساتھ ساتھ کنز الایمان کا تعارف بھی ہوجائے گا۔

﴿7﴾ جہیز میں دے کر: ہمارے ہاں عموماً جہیز میں بیٹی کو قرآن پاک بھی دیا جاتا ہے، اگر کنز الایمان کے ترجمے والا قرآن پاک دیا جائے تو اس کی برکتیں بیٹی کے سسرال والوں کو بھی ملیں گی۔ الحمد للہ اسلامی بہنوں میں مدنی کام کے سلسلے میں دعوت اسلامی کے دنیا بھر میں مدنی حلقے، ہفتہ وار اجتماعات اور متعدد جامعات المدینہ للبنات اور مدارس المدینہ للبنات قائم ہیں۔ ان کو منظم کرنے کے لیے اسلامی بہنوں کی مجلس مشاورت بھی ہے۔ جون 2008ء کی کارکردگی کے مطابق پاکستان میں تقریباً 3000 اجتماعات ہوتے ہیں اور شرکاء کی تعداد 136245 ہے جن میں ترجمۂ قرآن کنز الایمان کا مطالعہ کرنے اور جہیز میں دینے کی ترغیب دلائی جاتی ہے۔

﴿8﴾ اسکولز وکالجز اور جامعات میں عام کرکے: بااثر شخصیات کو چاہئے کہ اسکولز وکالجز اور جامعات (یونیورسٹیز) کی لائبریریوں میں کنز الایمان رکھوانے کی ترکیب کریں۔ اسکولز و کالجز میں دعوت اسلامی کا مدنی کام کرنے والی ''مجلس شعبہ تعلیم'' ہے جو کہ پاکستان بھر میں قائم کالجز اور یونیورسٹیز کے طلبہ و لیکچررز کو دعوت اسلامی کے بارہ مدنی کاموں سے متعارف کراتی ہے جس میں رات کو مدرسہ بالغان کا انعقاد بھی ہے جس کے ذریعے قرآن پاک صحیح قرآت کے ساتھ سکھایا جاتا ہے اور ترجمہ کنز الایمان کو کالج و یونیورسٹیز میں ہونے والے مختلف تقریبات میں متعارف کروایا جاتا ہے اور تحفۃً میں بھی پیش کیا جاتا ہے اس کے علاوہ پاکستان بھر میں درس نظامی کے لئے 112 سے زائد قائم جامعات المدینہ میں ہزاروں طلبہ وطالبات کو بالعموم اور درجہ ثانیہ والوں کو بالخصوص ترجمۂ کنز الایمان پڑھنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

﴿9﴾ فتاوٰی کے ذریعے: مسلمانوں کی کثیر تعداد دینی مسائل میں شرعی رہنمائی کے لیے دار الافتا سے رجوع کرتی ہے اور کثیر علمائے اہلسنّت اپنے مراکز سے فتاوٰی جاری فرماتے ہیں۔ اگر ہمارے مفتیانِ کرام ان فتاوٰی میں قرآنی آیات کو پیش کرتے ہوئے انہیں ترجمۂ کنز الایمان سے مزین کردیں تو اس سے بھی کنز الایمان کے عام ہونے کو ترویج ملے گی۔ الحمد للہ دعوتِ اسلامی کے تحت پاکستان کے کئی شہروں میں دار الافتا بنام دار الافتاء اہلسنّت قائم ہیں جن میں جاری ہونے والے فتاوٰی میں قرآنی آیات کے تحت ترجمۂ کنز الایمان بھی دیا جاتا ہے، اس کے علاوہ تخصص فی الفقہ (مفتی کورس) کرنے والے علماء کے نصابی مطالعہ میں ترجمۂ کنز الایمان مع تفسیر خزائن العرفان کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

﴿10﴾ جیل خانوں میں عام کرکے: معاشرے میں پائے جانے والے مختلف طبقات میں ایک طبقہ جیلوں میں بند قیدیوں کا بھی ہے اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ جیلوں میں ایسے لوگوں کی کثرت

ہوتی ہے جو عموماً قرآن وسنت کی تعلیم سے بے بہرہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے نفس وشیطان کے بہکاوے میں آکر قتل وغارت، فائرنگ، دہشت گردی، توڑ پھوڑ، چوری، ڈکیتی، زنا کاری، منشیات فروشی، جوا اور نہ جانے کیسے کیسے جرائم میں مبتلا ہوکر بالآخر جیلوں میں مقید ہوتے ہیں اور ان کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، الحمدللہ دعوت اسلامی کی "مجلس فیضان قرآن" کی کوشش ہے کہ ان قیدیوں میں اچھے اخلاقیات ونظریات فروغ پائیں۔ اس سلسلے میں بہت کم مدت میں اس مجلس نے پاکستان بھر کی 57 جیلوں میں مدنی حلقوں کو قائم کیا ہے یہ مجلس مختلف جیلوں میں بیرکوں اور مساجد کا قیام بھی عمل میں لارہی ہے۔ ان مساجد اور بیرکوں میں مدرسۃ المدینہ بالغان اور مختلف کورسز مثلاً قاعدہ کورس، شریعت کورس، مدرس کورس وغیرہ ہیں جس میں تجوید کے ساتھ قرآن پاک پڑھانے کے ساتھ ساتھ ترجمۂ کنزالایمان کے حلقے لگائے جاتے ہیں جبکہ 47 جیلوں کے اندر "المدینہ لائبریری" کا قیام جن میں ترجمۂ قرآن بھی رکھا گیا ہے۔

﴿11﴾ ٹی وی چینل کے ذریعے: میڈیا پر آنے والے علمائے کرام کو چاہئے کہ موقع کی مناسبت سے کنزالایمان کا تعارف کرواتے رہیں۔ الحمدللہ دعوتِ اسلامی کے مدنی چینل پر فیضانِ کنزالایمان کے نام سے ایک سلسلہ بھی پیش کیا جارہا ہے۔

﴿12﴾ مکاتب میں فروخت کرکے: الحمدللہ اس وقت اہلسنّت کے کثیر مکاتب ہیں جو کہ مختلف ناموں سے مارکیٹ میں متنوع موضوعات پر کتب شائع کرتے رہتے ہیں اور اپنی کتب کا دوسرے مکاتب کی کتب سے تبادلہ کرتے ہیں اگر کنزالایمان کو بھی اسی طرح تمام مکاتب میں رکھا جائے اور اپنی کتب کے ساتھ دیگر مکاتب میں روانہ کیا جائے تو اس سے بھی ترجمۂ کنزالایمان عام ہوگا۔ الحمدللہ اس وقت دعوت اسلامی کے پاکستان میں 300 سے زائد مکاتب وبستے (اسٹال) ہیں جن کے ذریعے کنزالایمان کے لاکھوں نسخے فروخت ہو چکے ہیں جبکہ بیرونِ ملک میں مکاتب المدینہ کی تعداد اور کنزالایمان کی فروخت اس کے علاوہ ہے۔ دعوت اسلامی کے ملک اور بیرونِ ملک ہزاروں ہفتہ وار اور کئی سالانہ اجتماعات ہوتے ہیں جن میں کنزالایمان کو فروخت کرنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے، دعوت اسلامی کا بین الاقوامی اجتماع مدینۃ الاولیاء ملتان میں ہوتا ہے اس میں امسال کنزالایمان کے سینکڑوں نسخے فروخت ہوئے۔ آج کل کتب میلوں کا بھی رواج ہے، ایسے مقامات پر مکتبۃ المدینہ کا بستہ (اسٹال) لگا کر کنزالایمان اور علمائے اہلسنّت کی کتب فروخت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دعوت اسلامی کی مزید کاوشیں:

الحمدللہ "کنزالایمان" کو عام کرنے کے سلسلے میں "دعوتِ اسلامی" نے مذکورہ بالا ذرائع کے علاوہ اور بھی کئی اقدامات کیے ہیں۔ اسی مقدس سلسلے کی ایک سنہری کڑی روزانہ کم از کم تین آیات کی تلاوت مع ترجمہ کنزالایمان وتفسیر خزائن العرفان پڑھنے والا "مدنی انعام" ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عاشقِ اعلیٰ حضرت قبلہ امیر اہلسنّت دامت برکاتہم العالیہ نے لوگوں کو نیکیوں کا خوگر بنانے اور گناہوں سے ان کا پیچھا چھڑانے کے لیے "مدنی انعامات" کے نام سے سوالاً جواباً ایک نظام الاوقات ترتیب دیا ہے جو کثیر مسلمانوں میں رائج ہے۔ ان میں سے بعض سوالات کا تعلق روزانہ کے معمولات سے، بعض کا ہفتے سے، بعض کا ماہانہ سے اور بعض کا سالانہ سے ہے۔ اسلامی بھائیوں کے لئے 72، اسلامی بہنوں کے لئے 63، طلبہ وطالبات کے 92 اور بچوں کے 40 مدنی انعامات ہیں۔ ان میں مطالعہ کے لئے سرکار اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ رب العزۃ کی تصنیف لطیف "تمہید ایمان"، علمائے حرمین طیبین کے فتاویٰ کا مجموعہ "حسام الحرمین"، خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ القوی کی "بہارِ شریعت" کے مخصوص ابواب اور امام غزالی علیہ رحمۃ الوالی کی "منہاج العابدین" کے منتخب ابواب شامل ہیں۔ کسی مستند سنی عالمِ دین کی اسلامی کتاب کے بارہ (12) منٹ مطالعے کے علاوہ کنزالایمان سے کم از کم تین آیات (مع ترجمہ وتفسیر) کی تلاوت کا تعلق روزانہ کے مدنی انعامات سے ہے۔

اپنی اور ساری دنیا کی اصلاح کی کوشش کے مدنی مقصد کے لئے مدنی قافلے 3 دن، 8 دن، 12 دن، 30 دن اور 12 ماہ کے لئے ایک قریہ سے دوسرے قریہ، ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک سفر کرتے رہتے ہیں ان کے جدول (نظام الاوقات) میں روزانہ نمازِ فجر کے بعد اجتماعی طور پر تین آیات کی تلاوت مع ترجمۂ کنزالایمان و تفسیر خزائن العرفان ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ مساعی قبول فرمائے۔ امین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

☆☆☆☆☆☆☆

انوار حیات

صدر الافاضل اور فکر اسلام و مسلمین

مولانا غلام مصطفیٰ قادری رضوی

صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان گلستانِ رضویت کے گل سر سبد تھے جن پر جماعت اہل سنت کو ناز تھا اور رہے گا۔ بلاشبہ آپ ان نفوسِ قدسیہ میں شامل ہیں جن کے نقوشِ پا آنے والی قوموں کے لیے مشعلِ راہ ہوتے ہیں۔ مبدءِ فیاض نے آپ کو علم وعمل اور فکر وتدبر سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ اپنی زندگی اسلام کی خدمت وفروغ میں بسر فرماتے رہے اور اخلاص وللّٰہیت سے وہ کام کیا جسے دیکھ کر اہل علم و فکر عش عش کر اٹھے۔ برصغیر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں انھوں نے اسلام کی شمع روشن کی اور اس میں ایمانی روغن ڈالا اور پھر خود شمع بن کر جلنے لگے۔ اسلام اور مسلمین کے لیے وہ فکرمند رہتے، قوم و ملت کی زلف برہم کو سنوارنے کے لیے انھوں نے نت نئے طریقے اختیار کیے۔ وہ خود بھی جاگتے رہے اور قوم کو بھی جگاتے رہے وہ دل سے چاہتے تھے کہ چاروں طرف اسلام کا بول بالا ہو۔ سنیے اسلام کے بارے میں ان کے کتنے پیارے بول ہیں:

"اسلام، اے پیارے اسلام! میرے دل کے مکیں، کشورِ دل کے سلطان، تجھ پر دل فدا، جان قربان۔ اے میری آنکھ کی ٹھنڈک، میرے آرام جان، میرے دل کے چین، میرے دل کے ارمان، اے میرے محسن، مہربان، میری کشتی کے محافظ ونگہبان، تو نے میری خستہ حالی میں دستگیری کی، جس مصیبت سے میرے عزیز واقارب، دوست واحباب، اصول، اجداد، فروع مجھے نہیں بچاسکتے تھے، تو نے بچایا۔ جہاں میرا مال میری دولت، میرے اعضا میری قوت میرے کام نہ آسکتے تھے تو کام آیا، میں بھٹکتا تھا، تو نے راہ دکھائی، میں ڈر رہا تھا تو نے میری کشتی پار لگائی، میں اندھیرے میں ٹکراتے پھر رہا تھا تو نے روشنی پھیلائی۔ اے حق کے آفتاب! تو نے ناحق کی رات کے کالے پردے چاک کرکے منہ نکالا۔ اے نور کے نیر اعظم! تو نے ضلالت کی بھیانک تاریکیاں دور کرکے حق وہدایت کا روز روشن دکھایا۔ اے اندھوں کو بینائی دینے والے، گونگوں اور بہروں کو گویائی اور سماعت عطا فرمانے والے تو نے بگڑی دنیا کو راست کیا۔ انسان کی کھوئی ہوئی استعدادیں پھر عنایت کیں، تو ہی حقیقی حیات، تو ہی کامیاب زندگی ہے۔ میری زبان تیری ثنا سے قاصر، میرا بیان تیری مدح سے کوتاہ ہے، تیرے مرتبہ کی بلندی میرے ادراک کی رسائی سے بہت اونچی ہے۔ میرے دل میں قرار بن کر رہ، میرے جسم میں جان بن کر جلوہ گر ہو، میرے قالب میں تیرے احکام جاری ہوں۔ میرے جوارح تیرے کارگزار ہیں۔"

(افکار صدر الافاضل، مطبوعہ ممبئی، ص: 133)

تو جس کے دل ودماغ میں اسلام اس طرح رچ بس چکا ہو اس مذہب مہذب کی ترویج واشاعت کا جذبہ کس قدر ان میں رہا ہوگا، اور اس پسندیدہ مذہب کے خلاف کی جانے والی سازشوں سے ان کا دل کتنا ٹوٹ رہا ہوگا؟ اندازہ لگالیں۔

اسلام اور تعلیمات اسلام کو جس عزم وحوصلہ کے ساتھ انھوں نے عام کرنے کی سعیِ جمیل فرمائی اور احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ انجام دیا وہ بے مثال تھا۔ مذہبی اخلاص، تلاش حق اور اسلام وسنیت کے جذبۂ بیکراں لیے ہوئے لسانی اور قلمی وہ کام کرگئے، جسے تاریخ میں زریں حروف سے لکھا جائے گا۔ بلاشبہ ایسے ہی مردانِ حق اپنے دور میں کوئی اہم فکری انقلاب پیدا کرتے ہیں اور ان کے عزم واستقلال میں کوئی فرق نہیں آتا۔

صدر الافاضل جذبات واحساسات کے انقلابی ترجمان تھے۔ مذہب وملت کی بقا وتحفظ کے لیے وہ ہر وقت مستعد رہتے، بلکہ آخری دم تک بڑی جرأت ایمانی اور ہمت وبے باکی کے ساتھ اسلام کے دفاع میں مصروف رہے۔ کوئی فتنہ ہو، کہیں بھی اس نے سر اٹھایا ہو، اسلام کے اس بطل جلیل کو صدمہ ہوجاتا وہ اپنی ممکنہ کوشش کو بروئے کار لاتے، اپنے اسلاف کرام کی دعائیں لیتے

اوراس کی بیخ کنی کی کوشش فرماتے اوراس راہ حق میں لومۃ لائم کی پروا کیے بغیر آگے بڑھ جاتے۔ ان کا تو کہنا ہی یہ تھا:

''دنیا کی تمام نعمتوں سے برتر اور بہتر نعمت و دولت دینِ الٰہی ہے۔ اس کی محافظت و نگہ بانی سب سے زیادہ ضروری ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اپنے دین کی حفاظت میں کوتاہی کی ، اس کا یہ انجام ہوا کہ آج دنیا میں توریت وانجیل کا ایک بھی صحیح نسخہ دستیاب نہیں ہوتا۔ دین اتنی پیاری چیز ہے، ایسی محبوب نعمت کہ جان کو ایک جان نہیں کروڑوں جانوں کو اس کی حفاظت میں بہ تمنا قربان کیا جاسکتا ہے، مگر اس میں تغیر آنا گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ دین کی نگہ بانی ہمارے لیے تمام فرائض سے اہم ہے۔'' (افکار صدر الافاضل، ص:48)

امام احمد رضا نے اپنے شاگردوں اور خلفا کے زریں کارناموں کو دیکھ کر ان کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ ایسے مفکرین و مدبرین و فاضلین تیار کرنا محدث بریلوی کا امتیازی کارنامہ ہے۔ اپنے لائق و فائق خلیفہ کے بارے میں یہ شعر کتنا حقیقت بھرا ہے، ملاحظہ کریں۔

میرے نعیم الدین کو نعمت　　　اس سے بلا میں سماتے یہ ہیں

صدر الافاضل کی مذہبی خدمات کے متعدد پہلو ہیں۔ آپ نے تبلیغِ اسلام کے لیے المموڑا، نینی تال، ہلدوانی وغیرہ کے پہاڑی علاقوں کا دورہ کیا۔ تبلیغِ اسلام کے لیے وہاں قیام فرمایا اور ایک رسالہ ''پراچین کال'' تحریر فرمایا جو غالباً پہاڑی زبان میں ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی ساتھ ہی ہے۔ اشاعت اسلام کے لیے آپ نے پھیری والوں کے روپ میں اپنے گماشتے بھیجے جنھوں نے گھر گھر جا کر اسلام کو پھیلایا۔ 1338ھ/1919ء اور 1339ھ/1920ء میں تحریکِ خلافت، تحریک ترک موالات کے جذباتی دور میں آپ نے تحریر و تقریر کے ذریعہ مسلمانوں تک اسلام کے سچے پیغام کو پہنچایا اور صدر جمعیۃ العلما ہند کو ہندو مسلم اتحاد کے خطرات سے آگاہ کر کے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے سے روکا۔ بالآخر وہ ہندو مسلم اتحاد کی دعوت سے دست بردار ہو کر تائب ہو گئے۔ مولانا محمد اطہر نعیمی اپنے والد ماجد تاج العلما سے اور وہ صدر الافاضل سے روایت کرتے ہیں کہ 1930ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن جانے سے پہلے مولانا محمد علی جوہر صدر الافاضل سے ملنے آئے۔ صدر الافاضل نے پھر ہندو مسلم اتحاد کے نتائج و عواقب کی طرف ان کو متوجہ کیا۔ اس پر انھوں نے فرمایا:

''اگر زندہ رہا تو اس کی تلافی کی کوشش کروں گا۔''

(خلفاے محدث بریلوی از ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری، ص:126-127)

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

بلاشبہ وہ عظیم مفکر اسلام و مسلمین تھے۔ مسلمانوں کی پستی، تساہلی، زبوں حالی اور ان میں پھیلتا ہوا افتراق و انتشار یہ وہ باتیں ہیں جن سے صدر الافاضل غم گین ہو جاتے اور ان کے سد باب کی طرف اپنی مساعی جلیلہ کو صرف کرتے اور بحمدہ تعالیٰ کامیاب بھی ہوئے۔ بے شک وہ مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اور تہذیب و ثقافت کے محافظ بھی۔ آج جہاں دوسرے ترقی کے میدانوں میں مسلمان کم زور نظر آ رہا ہے وہیں علم کے اعتبار سے بھی اس کا کوئی خاص درجہ نہیں ہے۔ آج کے دور میں تعلیم یافتہ اقوام ہی ترقی و کامرانی کی منزلیں طے کر رہی ہیں، مگر افسوس ہم نے علم سے یکسر رشتہ منقطع کر لیا ہے۔ ہمارے اندر سے تحصیل علم کی دل چسپی کم ہوتی جا رہی ہے اور پس ماندہ قوم میں ہمارا شمار ہونے لگا ہے۔ اس طرح تعلیمی پس ماندگی میں ہم سب سے آگے ہیں۔ اگر یہی حالت رہی تو پھر ہمارا کیا ہوگا؟

صدر الافاضل مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی سے بہت فکر مند رہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اس جانب بھی مسلمانوں کو متوجہ کیا۔ علم کی اہمیت بتائی اور اس میدان میں آگے بڑھنے کی تاکید فرماتے رہے، اور کیوں نہ ہو کہ ان کے اندر دلِ دردمند تھا جو قومِ مسلم کے لیے دھڑکتا رہتا تھا۔ اس خصوص میں انھوں نے طرح طرح کے منصوبے بھی پیش کیے اور انھیں عملی جامہ بھی پہنانے کی سعی فرمائی۔ چناں چہ تعلیم کو ترقی کا دار و مدار قرار دیتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

''مسلمانوں کی ترقی کے عہد کو سامنے لائیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ ہمارے اسلاف شب و روز تعلیم و ترقی میں مصروف تھے اور ان کی نگاہ میں تعلیم ہر چیز سے ضروری اور قابل قدر تھی۔ بے شمار درس گاہیں کھلی ہوئی تھیں۔ علما کو بیش قرار تنخواہیں دی جاتی تھیں، طلبہ کے وظیفے مقرر تھے۔ مسلمانوں...... (باقی ص:54 پر)

آئینۂ عالم

اسلام بین الاقوامی سطح پر امن کا داعی ہے مگر دنیا تعصب کا شکار ہے

مفتی محمد معراج القادری

اسلامی افکار و نظریات اور اس کی تعلیمات کے مطالعہ سے ہر دانش مند اہل علم یہی نتیجہ اخذ کرے گا کہ اسلام امن و شانتی کا پیغام دینے، ظلم و بربریت اور وحشت ناک دہشت گردی کا خاتمہ کرنے کے لیے اسلام انسانیت کا درس دینے، رحمتوں کی بارش برسانے، انس و محبت کی وسیع چادر میں پوری دنیا کو سمیٹ کر اتحاد و اتفاق کی دعوت دینے آیا ہے: کلکم من آدم و آدم خلق من تراب. سب حضرت آدم کی اولاد ہیں اور وہ مٹی سے پیدا کیے گئے۔ اسلام نے حیات انسانی میں ایسے عظیم انقلابات پیدا کیے انسان زمین کی پستیوں سے اٹھ کر عرش کی بلندیوں تک جا پہنچا۔ وطن سے محبت اور محبت کرنے کا جذبۂ صادق یہ اسلامی نظریۂ وطن ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے پوری دنیا کو اپنا وطن اور اپنا گھر قرار دیا۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ پیغام دیتا ہوا نظر آتا ہے کہ اگر کہیں پوری دنیا میں ایک انسان بے چین ہو تو پورا عالم بے چین ہو جائے اور جب اسلام محبت کی یہ تعلیم اور درس دے رہا ہے تو پھر کیسے دہشت گردی کا رشتہ اسلام سے جوڑا جا سکتا ہے اور اسلامی دہشت گردی کا کیوں کر تصور پیدا ہو سکتا ہے؟

آریہ سماج کے ایک مذہبی رہ نما سوامی اگنی ویش نے جب اسلام کا مطالعہ کیا تو وہ بول اٹھا کہ: ''مسلمانوں کو اگر دہشت گرد کہا جائے تو یہ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ اور فریب ہے، بلکہ اس سے بڑا جھوٹ اور فریب ہو ہی نہیں سکتا، کیوں کہ اسلام کے ماننے والے جب کسے سے ملتے ہیں تو سلام کرتے ہیں، یعنی ان کی سلامتی کی دعا دیتے ہیں تو وہ کیوں کر دہشت گرد ہو سکتا ہے۔''

اگر کوئی سر پھرا بم دھما کا کر کے دس کو ہلاک کر دے تو وہ دہشت گرد ہے اور اسلام بھی اسے دہشت گردی ہی کہے گا، لیکن اگر سو آدمی مل کر دس لوگوں کو زندہ جلا دیں تو کیا یہ دہشت گردی نہیں ہے۔ اگر انفرادی دہشت گردی ہو سکتی ہے تو اجتماعی دہشت گردی کیوں نہیں؟

مسیحی پادری لا فرائے نے اپنی کتاب ''انسانیت اور عیسائیت'' میں لکھا ہے: ''اسلام کی مثبت تعلیم نے بہت سے ایسے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا جو اپنے مبہم مذہب سے مطمئن نہیں تھے۔''

اسلام عدل و مساوات کا درس دیتا ہے۔ حدود و تعزیرات کے باب میں بھی ایک کہیں امتیاز نہیں برتا گیا ہے۔ عہد رسالت میں بنو مخزوم خاندان کی ایک عورت چوری کے جرم میں پکڑ لی جاتی ہے، تو کچھ لوگ بارگاہِ رسالت میں سفارش کر کے اسے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسامہ بن زید کے ذریعہ سفارش کرائی جاتی ہے۔ آقاے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضب ناک ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں، اے اسامہ! تم حدود اللہ میں سفارش کے لیے آئے، سارے لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے اور ایک بلیغ خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں: اے لوگو! سنو، تم سے پہلے کی قومیں اس لیے تہ و بالا کر دی گئیں کہ ان کے اشراف اور بڑے لوگ جب کوئی جرم کرتے تھے تو چھوڑ دیے جاتے تھے اور اگر کوئی کم زور جرم کرتا تو اس پر حد جاری کی جاتی۔ قسم ہے پروردگارِ عالم کی اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اسلام نے تو وہ نظامِ عدل و مساوات قائم کیا ہے جس سے اہلِ اسلام ہی نہیں بلکہ غیر بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ حدود اسلامیہ میں رہنے والے ذمی غیر مسلم بھی احکامِ اسلام سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی عدل و انصاف ہوگا۔ آقاے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: دماء هم كدمائنا و اموالهم كاموالنا. ان کے خون ہمارے خون کی طرح اور ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح ہیں۔ گویا مسلمانوں کی طرح ذمی کافروں کو بھی اسلام تحفظ عطا فرماتا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ چین و سکون کی زندگی اسلامی چھاؤں میں ہی ملے گی اور یہ بھی عیاں ہوا کہ اسلام کے افکار و نظریات مثبت پہلو اور مثبت تعلیم کے ہی داعی ہیں، پھر دہشت گردی کا الزام کیوں کر درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسلام مضطرب و بے چین قلوب و اذہان کو راحت و آرام کا پیغام دیتا ہے۔ دہشت گردی وہاں جنم لیتی ہے جہاں انصاف نہیں ہوتا، حقوق سلب کر لیے جاتے ہیں، حقوق دیے نہیں جاتے۔ بہ ظاہر دنیا امن و شانتی کی

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

تلاش میں سرگرداں ہے، اصول وقوانین بھی وضع ہورہے ہیں مگر آج دنیا پر حقیقت عیاں ہوتی جارہی ہے کہ ملکوں کے وضع کردہ قوانین سے نہ اضطراب دور ہوگا اور نہ دنیا اس کی چھاؤں میں زندگی گزار سکتی ہے، کیوں کہ یہ سارے قوانین حالات کی پیداوار ہوتے ہیں جن میں نہ جامعیت ہوتی ہے اور نہ ہی عدل ومساوات پر مبنی ہوتے ہیں۔ نسلی تعصب کی بنیاد پر بنتے اور بگڑتے ہیں۔ جب کہ دائرۂ اسلام میں ایسا فرق وامتیاز نہ برتا گیا۔ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

”لا فضل علیٰ عربی علیٰ عجمی لا عجمی علی عربی و لا لابیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض الا بالتقویٰ.“

کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہاں فضیلت تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔

اسلام عدل ومساوات کی تعلیم دیتا ہے لہٰذا جب تک نظام مصطفیٰ اور قانون مصطفیٰ نافذ نہ کیا جائے دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔

آج اسلام مخالف سرگرمیاں اپنے شباب پر ہیں۔ یورپ اسلام کو مٹانے کی ہر ممکن جد وجہد کر رہا ہے، وہ خوب سمجھتا ہے کہ نصرانیت کو صرف اور صرف مذہب اسلام سے خطرہ ہے۔ یہودیت بھی خوف زدہ ہے تو فطرت اسلام سے ہے۔ مذہبی نقطۂ نظر سے اگر چہ دونوں میں بڑا تفاوت اور تصادم ہے تاہم دونوں اسلام اور اسلامی تشخصات کو مٹانے اور مجروح کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہیں اور یہ اجتماع حب علی میں نہیں بلکہ بغض معاویہ میں ہے۔

یہودی عیسائی کا ذبیحہ نہیں کھاتا، عیسائیت کو ننگا کر کے خود پردے میں رہتا ہے۔ یہ یہودی دماغ کی ہی قوت ہے جس نے امریکہ ویورپ کو محاذ جنگ پر کھڑا کر دیا اور خود گھر میں بیٹھ کر تماشا دیکھتا ہے۔ پوری دنیا میں امریکہ کی حکمرانی یہ یہودی دماغ کا نتیجہ ہے بقول عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل وصلیب دینے کا خون یہودیوں کی گردن پر ہے، جب کہ یہ خلاف واقعہ ہے۔ مگر اس کے باوجود دونوں خارجہ پالیسی اور دیگر معاملات میں ایک مرکز پر جمع ہیں کہ نقطۂ اتحاد مذہب اسلام کا قلع قمع کرنا ہے، مگر پھر بھی ہم مایوس نہیں کہ مذہب اسلام کا تحفظ خود رب عز وجل نے اپنے ذمۂ کرم میں لے لیا ہے۔ اس لیے دنیا کی کوئی طاقت نہ اسے مٹا سکتی ہے اور نہ ہی اس کے وقار کو مجروح کر سکتی ہے۔ خود امریکہ کے آنگن میں اسلامی کشش کو دیکھ کر طرح طرح کی پابندیاں لگائی جارہی ہیں، مگر فطرت یہ ہے کہ جس چیز پر پابندی لگائی جاتی ہے اس کے دیکھنے اور مطالعہ کرنے کا کچھ زیادہ ہی شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب امریکیوں نے سادہ مزاجی کے ساتھ اسلام کا مطالعہ شروع کیا تو اس کی حقانیت و صداقت کو دیکھ کر ایک ایک وقت میں چالیس چالیس ہزار عیسائی کلمہ پڑھتے ہوئے نظر آرہے ہیں اور یہ کلمہ پڑھنے والا طبقہ وہاں کا جاہل ونابلد عیسائی نہیں بلکہ وہاں کا دانش ور تعلیم یافتہ طبقہ ہے۔ لہٰذا اسلام مخالف سپر پاور طاقتوں کے استعمال کے بعد بھی اسلام خطرے کی زد پر نہیں، ہاں اگر خطرے کی زد پر اگر کوئی ہے تو وہ مسلمان ہے۔ عالمی سطح پر آج اہل اسلام کو بدنام کرنے کی سازشیں اور منصوبے نہ صرف بنائے جاچکے ہیں بلکہ اس پر عمل بھی کیا جارہا ہے، مگر مسلمان ہے کہ بیدار اور متحد ہونے کی جامع فکر نہیں کرتا۔ خطرناک دور اور تباہ کن حالات سے مسلمان اس لیے دوچار ہے کہ اس کا تحفظ اسلام کر رہا تھا۔ جب تک دامن اسلام کو مضبوطی سے پکڑے تھا تو اسلام اس کے لیے پناہ گاہ تھا اور جب سے گرفت ڈھیلی ہوئی اور قدرے دوری اختیار کی ہے تو خطرات کی زد پر آگیا اور مسموم فضاؤں کے جھونکے اور خطرات کے بادل منڈلانے لگے ہیں۔

طوفانوں سے آنکھ ملاؤ سیلابوں پر وار کرو
ملاحوں کا چکر چھوڑو تیر کے دریا پار کرو

آپ خوب جانتے ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا ظالم، ستم گر اور دہشت گرد ملک امریکہ اور اس کا صدر نشین ہے جو جوتا کھانے کے بعد بھی غیرت وحیا محسوس نہیں کرتا اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر پوری دنیا میں درندگی پھیلا رکھی ہے۔ ہر قانون سے اپنے کو آزاد اور بالاتر سمجھتا ہے۔ انسان جب پاگل ہو جاتا ہے تو وہ کسی پر بھی پتھر پھینک سکتا ہے، لیکن پہچان پہچان کر پتھر پھینکنا یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ پاگل نہیں بلکہ پاگل پن کی آڑ میں کوئی پرانی دشمنی نکال رہا ہے۔ اس کے نشانے پر صرف اور صرف مسلم ملک ہی کیوں ہیں اور کون سا مسلم ملک ہے جہاں اس کی ریشہ دوانیاں جاری نہیں اور آج صورت حال یہ ہے کہ

نہ کوئی پھول نہ کوئی کلی سلامت ہے
کسی ذلیل نے ہر شاخ نوچ رکھی ہے

امریکہ کی یہ چالیں ایک کھلی کتاب کی طرح واضح اور روشن ہیں جنھیں ہر شخص پڑھ سکتا ہے، لیکن اگر کسی کو کچھ نظر نہیں آتا تو وہ عرب اور مسلم ممالک کے سربراہان ہیں جن میں عیش پرستی کا ایسا خمار چھایا ہوا ہے کہ انھیں سب خیریت معلوم ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

بزمِ دانش   **فکر ونظر**   **مستقل کالم**

فتنۂ قادیانیت
اور داعیانِ اسلام کی ذمہ داریاں

”**بزمِ دانش**“ میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر وبصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو آواز دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ **از: مبارک حسین مصباحی**

مارچ	2009ء کا عنوان	کیا دہشت گردی کی بنیاد فرقہ پرستی ہے
اپریل	2009ء کا عنوان	لوک سبھا الیکشن میں مسلمانوں کا کردار کیا ہونا چاہیے؟

نانوتوی اور مرزا دونوں متحد ہیں کہ نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا

قرآن کریم کی صریح وقطعی نص اور احادیث کثیرہ متواترۃ المعنی اور اجماع امت سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد اب کوئی دوسرا نبی اور رسول مبعوث نہ ہوگا۔ مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ایک سو تیس احادیث کریمہ اور تیس ارشادات علما سے اس مسئلہ کو عرش تحقیق تک پہنچا کر انکار ختم نبوت کی ساری جڑیں کاٹ کر رکھ دیں اور یہ روشن فرمایا کہ خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہونا ایسا قطعی اور یقینی اور غیر متزلزل ہے جو ہر طرح کی تاویل اور تقیید و تخصیص سے پاک ہے۔ اس میں ادنیٰ شک وشبہہ کی گنجائش نہیں۔ اس محکم اور یقینی وقطعی عقیدہ کا انکار کرنے اور اس میں شک کو راہ دینے والا کھلا ہوا کافر ہے کہ ”من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر“ جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی نے کتاب الاقتصاد میں فرمایا:

”إن الامت فهمت من هذا اللفظ أنه أفهم عدم نبی بعده أبدا و عدم رسول بعده أبدا و إنه ليس فيه تاويل و ولا تخصيص و من أوله بتخصيص كلامه من أنواع الهذيان لا يمنع بتكفيره لأنه يكذب بهذا النص الذى أجمعت الأمة على أنه غير موول و لا مخصوص.

یعنی اس میں شک نہیں کہ امت نے خاتم النبیین کا معنی یہ سمجھا کہ حضور کے بعد کبھی بھی کوئی نبی ورسول نہ ہوگا۔ یہ ہر طرح کی تاویل اور تخصیص سے پاک ہے۔ اگر اس میں کوئی تاویل اور تخصیص کرے تو وہ ہذیان کی قسم سے ہے اور اسے کافر کہنے سے کوئی مانع نہیں کیوں کہ وہ قرآن پاک کی اس نص کو جھٹلا رہا ہے جس کے بارے میں اجماعی فیصلہ ہے کہ وہ تاویل اور تخصیص سے دور رفتہ ہے۔

مگر اس اجماعی وقطعی عقیدہ کے خلاف مرزا غلام احمد قادیانی نے 1900ء میں قادیان پنجاب میں نبوت کا دعویٰ کیا اور خود کو نبی و رسول کہا اور اپنی کتاب ”براہین غلامیہ“ کو کلام اللہ عز وجل قرار دیا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کرنے کے لیے بہت سے مراحل طے کیے،

پہلے مجدد بنا، جیسا کہ خود لکھتا ہے:

''اس عاجز کو دعوائے مجدد ہونے پر اب بفضلہٖ تعالیٰ گیارھواں برس جا تا ہے۔'' (نشان آسمانی، ص:34)

پھر اس کے بعد مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، جیسا کہ کہتا ہے:

''میں مہدی ہوں۔'' (معیار الاجتہاد، ص:11)

پھر عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا انکار کیا، جب کہ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آپ زندہ ہیں چوتھے آسمان پر اٹھا لیے گئے، آپ نہ قتل ہوئے، نہ آپ کو سولی دی گئی جیسا کہ قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

"وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم و إن الذين اختلفوا فيه لفي شك منه مالهم به من علم إلا اتباع الظن و ما قتلوه يقينا بل رفعه الله إليه." (سورہ نسا:157)

پھر مثل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ یعنی احادیث کریمہ میں جس عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا ذکر ہے وہ میں ہی ہوں حالاں کہ کہاں ''مرزا دجال'' اور کہاں حضرت عیسیٰ پیغمبر علیہ السلام چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک۔ جھوٹا مسیح دجال تو ہوسکتا ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثل ہرگز نہیں ہوسکتا۔ وہ صرف مجدد اور مہدی ہی نہ بنا بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ اللہ کی ذات اس میں حلول کر آئی ہے، جیسا کہ کہتا ہے:

"رأيتني في المنام عين الله و تيقنت أنني هو." (آئینۂ کمالات اسلام، ص:564 از: مرزا)

میں نے خواب میں خود کو ہو بہو اللہ دیکھا اور مجھے یقین ہو گیا کہ میں خود اللہ ہوں۔

مزید اس نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا:

"أنت بمنزلة ولدي." (حقیقۃ الوحی، ص:6 از: مرزا)---تم میرے بیٹے کے قائم مقام ہو۔

پھر اس نے آخر میں اپنے نبی ہونے کے لیے خدائی الہامات اختراع کیے اور خود کو اللہ کا نبی و رسول گمان کیا جیسا کہ کہتا ہے:

''خدائے تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا ہے اور نبی بھی۔'' (براہین احمدیہ)

نیز کہا: ''میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔'' (تتمہ حقیقۃ الوحی، ص:68 از: مرزا قادیانی)

نیز یہ کہا: ''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔'' (دافع البلاء، ص:26)

نیز کہا: ''میں احمد ہوں جو آیت مبشرا برسول ياتي من بعدي اسمه أحمد. میں مراد ہے۔'' (ایک غلطی کا ازالہ، ص:673)

نیز کہا: ''خدائے تعالیٰ...... قادیان کو اس طاعون کی خوف ناک تباہی سے محفوظ رکھے گا، کیوں کہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔'' (دافع البلاء، ص:10)

مرزا مسیحیت و یہودیت کی پشت پناہی سے منصب نبوت حاصل کرنے میں کامیاب تو ہو گیا مگر امت مسلمہ کے اعتقاد میں چوں کہ یہ عقیدہ راسخ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین بہ معنی آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد اب کوئی دوسرا نبی اور رسول نہ آئے گا۔ آپ پر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس لیے اس راسخ عقیدہ کو متزلزل کرنے کے لیے خاتم النبیین کا ایسا معنی اختراع کیا جس سے دعوائے نبوت کی راہ ہموار ہو اور ہم نواؤں کی ایک عظیم جماعت تیار ہو جیسا کہ خاتم النبیین کے اختراعی معنی کی توضیح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''نبی کریم کے خاتم الانبیا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہی صاحب الختم ہیں اور کوئی شخص آپ کی انگوٹھی (خاتم) سے کسب فیض کیے بغیر نعمت وحی سے مستفید نہیں ہوسکتا۔ امت محمدیہ مکالمہ و مخاطبہ ربانی کے شرف سے کبھی محروم نہ ہوتی کیوں کہ ختم کرنے والے صرف آپ ہیں آپ کی انگوٹھی ہی سے حصولِ نبوت ممکن ہے۔ اس لیے کہ ہونے والے نبی کا امت محمدی میں سے ہونا ضروری ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، ص:27 بہ حوالہ اسلامی مذاہب، ص:380)

ایک دوسری جگہ مزید لکھتا ہے:

''اگر میں آپ کی امت سے نہ ہوتا اور آپ کے طریقے کی پیروی نہ کرتا تو مکالمۂ ربانی سے مشرف نہ ہوتا، اگرچہ میرے اعمال پہاڑ کے برابر ہوتے، اس لیے کہ نبوت محمدی کے سبب سب نبوتیں منقطع ہو چکی ہیں، لہٰذا آپ کے بعد کوئی صاحب شریعت نبی نہ ہوگا، البتہ غیر تشریعی نبی آسکتے ہیں مگر ان کا آپ کی امت میں سے ہونا ضروری ہے۔'' (التجلیات الالٰہیات، ص:24 بہ حوالہ اسلامی مذاہب، ص:381)

اس سے صاف ظاہر و باہر ہے کہ اس نے صرف مجدد و محدث اور مہدی ہونے کا دعویٰ ہی نہ کیا بلکہ خدائی الہامات اختراع کر کے خاتم النبیین کے ایک ایسے معنی کی بھی توضیح کی جس سے اس کے دعوائے نبوت کی راہ ہموار ہوسکے اور اس کے ناپاک منصوبہ کو فروغ حاصل ہو اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اس کا نبی و رسول ہونا ممکن ہو اور امت مسلمہ کے اذہان سے ختم نبوت کا اجماعی و قطعی عقیدہ محو اور زائل ہو جائے۔ یہی فریضہ مولوی قاسم نانوتوی نے انجام دیا تھا کہ انھوں نے خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہونا خیال عوام بتایا اور اس یقینی اور قطعی عقیدہ کو مختلف وجوہ سے رد کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی ہونا جائز و ممکن کہا۔ نانوتوی صاحب نے نبوت کا دروازہ تو کھولا مگر اس میں داخل نہ ہوسکے۔ مگر مرزا کافی باہمت ثابت ہوا اس نے نبوت کا دروازہ کھولا اور داخل بھی ہوا، یہاں تک کہا کہ ''ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول و نبی ہیں''۔ (بدر، 5 مارچ 1908ء)

مولوی یوسف لدھیانوی دیوبندی نے قادیانیت کا رد کرتے ہوئے جو وضاحت کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ نانوتوی اور مرزا دونوں اس بارے میں متحد ہیں کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند نہیں بلکہ کھلا ہوا ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں:

''قادیانی مرزائی کہتے ہیں کہ خاتم النبیین کا مطلب یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، نہ یہ کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ آئندہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مہر سے ہی بنا کریں گے۔'' (تحفظ ناموس رسالت اور گستاخ رسول کی سزا، ص:392)

مجھے سخت حیرت ہے کہ قادیانی سے پہلے نانوتوی نے نبوت کا دروازہ کھولا اور خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہونا عوام کا خیال بتایا اور صاف اور کھلے لفظوں میں یہ کہا:

''اگر حضور کے زمانے میں کوئی اور نبی پیدا ہو جائے تو بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے، بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔'' (تحذیر الناس، ص:28)

مجھے بتایا جائے کہ ''بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔'' قادیانی بعد زمانہ نبوی ہی پیدا ہوا اور خود کو نبی و رسول کہا تو قادیانی کی تکفیر کی گئی مگر نانوتوی کی تکفیر کیوں نہ کی گئی اور نہ کی جا رہی ہے جب کہ خاتم النبیین کا معنی وہ یہی کہتا ہے کہ آپ نبی بالذات ہیں باقی انبیا کی نبوت آپ کی نبوت کا فیض ہے۔ نانوتوی صاحب نے صاف لفظوں میں خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہونا انکار کیا اور اسے خیال عوام بتایا اور یہ کہا، تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ کیا اس اجماعی اور قطعی عقیدہ کا انکار کفر نہیں؟ ہے اور ضرور ہے تو پھر زبانیں کیوں خاموش ہیں اور ان کی تکفیر کیوں نہ کی گئی جب کہ ان کی عبارت معنی کفر میں صریح و واضح اور متعین ہے جس کی تاویل تاویل نہیں بلکہ ان کے کلام کا مسخ اور اس کی تحریف و تبدیل ہے، جو نانوتوی صاحب کو قطعاً پسند نہیں کہ ان کی واضح مراد کے خلاف ہے۔ حاصل یہ کہ قادیانی سے پہلے نانوتوی نے ایک اجماعی عقیدہ پر سخت حملہ کیا اور قادیانی نے نانوتوی کی نہ صرف تائید و حمایت کی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر خود نبی و رسول بن بیٹھا۔ مگر نبوت کا دروازہ کھولنے میں دونوں برابر بلکہ اس نے پہلے کھولا اس لیے اس کی بھی تکفیر لازم تھی، جیسا کہ علمائے اہل سنت نے اس کی واضح تکفیر کی۔

قادیانی نے صرف خدائی الہامات کے ذریعہ کھل کر اپنے نبی و رسول ہونے ہی کا دعویٰ نہ کیا بلکہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں سخت گستاخیاں اور بدزبانیاں کیں، جب کہ کسی نبی کی شان میں ادنیٰ گستاخی کرنے والا کافر ہے، کیوں کہ ہر نبی و رسول کی تعظیم اصولِ دین اور فرائضِ ایمان سے ہے۔ جیسا کہ گستاخ و دریدہ دہن کہتا ہے:

”آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے۔“ (ضمیمہ انجام آتھم، ص:7)

اس گستاخِ رسول نے یہ بیہودگی کی: ”مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) کا چال چلن کیا تھا، ایک کھاؤ پیٹو، شرابی، کبابی، نہ زاہد عابد، نہ حق کا پرستار، خود بین، خدائی کا دعویٰ کرنے والا۔“ (مکتوبات احمدیہ 3/21)

یہ خبیث جرأت و جسارت آپ اور آپ کی دادی و نانی کے ساتھ بھی کی جیسا کہ یہ دریدہ، دہن شتر بے مہار و مطلق العنان سخت گالیاں دیتے ہوئے کہتا ہے:

”آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کی تین دادیاں اور نانیاں زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں، جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔“ (ضمیمہ انجام آتھم، ص:7)

امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ کوئی غیر نبی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا، مگر مرزا نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا اور بہت سارے انبیاے کرام و مرسلین عظام کی شان میں سخت گستاخیاں اور بدزبانیاں کیں، ان کی بڑھ چڑھ کر اہانتیں کیں اور ان پر اپنی فضیلت بھی ظاہر کی، جیسا کہ لکھتا ہے:

”میں بعض نبیوں سے بھی افضل ہوں۔“ (معیار الاخیار)

یہ کہا۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو — اس سے بہتر غلام احمد ہے

محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل — غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں (اخبار بدر)

جب اس گستاخِ رسول منکرِ ختم نبوت مدعی مثیل عیسیٰ سے مواخذہ کیا گیا کہ تو عیسیٰ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جیسا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو کہاں ہیں وہ ظاہر نشانیاں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے، جیسا کہ مردوں کو زندہ کرنا، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینا اور مٹی سے پرندے کی شکل بنانا پھر اس میں پھونک مار کر اللہ کے حکم سے اڑتا پرندہ کرنا تو اس نے جواب دیا کہ عیسیٰ یہ کام مسمریزم سے کرتے تھے (مسمریزم انگریزی زبان میں ایک قسم کا شعبدہ ہے) (المستند المعتمد، ص:399)

مزید اس نے معجزات کو مکروہ و ناپسند قرار دے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہانت شان کرتے ہوئے یہ کہا:

”اگر اس قسم کے معجزات (معجزات عیسیٰ) کو مکروہ نہ جانتا تو ابن مریم سے کم نہ رہتا۔“ (ازالۂ اوہام، ص:116)

یہ کہا کہ غیبی خبروں میں جھوٹ کا ہونا نبوت کے منافی نہیں، اس لیے کہ بے شک یہ چار سو نبیوں کی خبروں میں ظاہر ہوا اور سب سے زیادہ جن کی خبریں جھوٹی ہوئیں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں...... واقعۂ حدیبیہ کو انھیں جھوٹی خبروں میں شمار کیا...... اور یہ تصریح کی کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت پر کوئی دلیل نہیں، اور کہا: بلکہ بہت سی دلیلیں ان کی نبوت کے ابطال پر قائم ہیں۔ (المستند المعتمد، ص:400 ملخصا)

ان حقائق کو پیش کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے صرف مجدد و مہدی اور محدث ہونے ہی کا دعویٰ نہ کیا بلکہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔ خود کو آپ کا مثیل کہا، غیبی خبروں میں جھوٹ کا ہونا منافی نبوت نہ جانا۔ بعض انبیا سے خود کو افضل کہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو مکروہ اور مسمریزم کہا۔ آپ کی شان رفیع میں سخت دشنام طرازیاں کیں، آپ کی دادیوں اور نانیوں کو زناکار کہا اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد صاف و صریح لفظوں میں خود کو نبی و رسول کہا۔ اس آیت کریمہ ”و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه أحمد“ کا خود کو مصداق قرار دیا اور اس کے علاوہ بے شمار کفریات بکے، جس کے سبب علماے اسلام نے اس کی تکفیر کی اور خارج از اسلام قرار دیا اور ایسا کافر و مرتد کہا کہ اس کے کفر و ارتداد پر مطلع ہونے کے بعد اگر کوئی اس کے کافر و مرتد ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ کافر ہے۔ مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”قادیانی تو ایسا مرتد ہے جس کی نسبت تمام علماے حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ من شک فی کفرہ و عذابه فقد کفر. اسے معاذ اللہ مسیح موعود، یا مہدی یا مجدد یا ایک ادنیٰ درجہ کا مسلمان جاننا در کنار جو اس

کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ خود کافر مرتد ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، 5/334)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا غلام احمد اپنے ان اقوال ملعونہ کے سبب ایسا کافر و مرتد ہے کہ اس کے کفر و ارتداد پر آگاہ ہونے کے بعد اگر کوئی اس کے کافر و مرتد ہونے میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے۔ تمام علماے اسلام نے یہی فتویٰ دیا۔ آج قادیانیت کا فتنہ کچھ کم نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام میں اس فتنہ کا جال پھیلا دیا گیا ہے۔ آج جا بہ جا قادیانیت کے مراکز قائم ہیں۔ A.M.T.V. کے نام سے ایک پورا ٹی وی چینل قادیانیت کے فروغ کے لیے وقف کر دیا گیا ہے۔ اس چینل سے ہمہ وقت قادیانیت کی تبلیغ و تشہیر ہو رہی ہے۔ ہمارے اسلاف و اکابر نے قادیانیت کی بیخ کنی کے لیے پوری کوشش صرف فرمائی، ان کے خلاف کفر کے فتوے صادر فرمائے۔ اپنی تحریروں، تقریروں اور تبلیغوں میں ان کے باطل کفری عقائد کو خوب خوب واضح فرمایا۔

لیکن آج جب کہ قادیانیت نے امت مسلمہ کے عقیدہ و ایمان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ٹی وی چینل کا سہارا لے لیا ہے اور امت مسلمہ کے راسخ عقیدہ کو متزلزل کرنے اور قادیانیت کو فروغ دینے کے لیے خود کو منظم کر لیا ہے اور روز بروز فتنہ قادیانیت کی خوب خوب اشاعت کی جا رہی ہے، تو ایسی صورت حال میں داعیان اسلام کی اہم ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ فتنۂ قادیانیت کا بہ نظر غائر مطالعہ فرمائیں اور اس فتنہ کی بیخ کنی کے لیے ایسے موثر ذرائع کا استعمال کریں جس سے قادیانیت کی آرزو خاک میں مل جائے اور مذہب حق کا پرچم عالمِ اسلام میں لہرائے اور امت مسلمہ فتنۂ قادیانیت سے محفوظ و سالم رہے۔ مختلف ممالک کی زبانوں میں دیدہ زیب کتابت و طباعت کے ساتھ مدلل و مبرہن اور موثر مضامین پر مشتمل کتابیں شائع کی جائیں اور عصری تقاضوں کے تحت شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ اسلام دشمن عناصر کے سد راہ کے لیے انٹرنیٹ کا استعمال کریں اور قادیانیت کو اس کے گھر تک اس طرح پہنچائیں کہ قادیانیت ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے اور دوبارہ سر اٹھانے کی ہمت نہ کرے۔ ظاہر ہے آج ہمارا اسلام دشمن مخالف برسرِ پیکار ہے اور ہمارے عقیدہ و ایمان کو ملیامیٹ کرنے پر مکمل آمادہ ہے۔ ایسے حالات میں اس فتنہ کے مقابلہ کے لیے ہمیں میدانِ عمل میں اترنا ہوگا اور اس کے خوابوں کا شیش محل مسمار کرنے کے لیے منظم طور پر سرگرم عمل ہونا ہوگا۔ ایک داعی کے دعوت کے اصول اور اس کے بنیادی اجزا و عناصر کیا ہیں، جن سے عالم اسلام میں دعوت خوب خوب عام ہو اور فتنوں کا قلع قمع ہو۔ پھر دشمن کن اصول دعوت پر عمل پیرا ہو کر اپنے فتنوں کو عام کر رہا ہے۔ ان تمام چیزوں پر نہ صرف غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے بلکہ اس پر غور و فکر کر کے اسے عملی جامہ پہنانے کی بھی ضرورت ہے۔ آج ہمارے یہاں غور بہت ہوتا ہے، مگر فکر کو منظم کر کے میدانِ عمل میں لانے کی کوشش کم ہی ہوتی ہے۔ شارع اسلام نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں ایسے اصول دعوت کو اختیار فرمایا جس سے عالم اسلام اسلامی تعلیمات سے آشنا ہو گیا اور ایوان باطل میں زلزلہ آ گیا۔ اس دور میں آج کی طرح ذرائع ابلاغ و ترسیل نہ تھے، الیکٹرانک میڈیا نہ تھا مگر اسلام کا اجالا گھر گھر پہنچا۔ آج کے دور میں علماے اسلام وارثانِ علوم مشکوٰۃ نبوت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین ہیں۔ ان کی اہم ترین ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس فتنے کی سرکوبی کے لیے تنظیمی ڈھانچہ تشکیل دے کر جذبہ و اخلاص کے ساتھ میدان میں اتریں اور بے لوث اسلام کی خدمت انجام دیں اور قادیانیت کا دنداں شکن جواب دیں، ان کی اصلی تصویر پیش کریں اور جس مسیحیت و یہودیت کی پشت پناہی سے اس فتنہ نے سر اٹھایا اور پروان چڑھ رہا ہے انھیں اور ان کے ناپاک منصوبوں کو بھی پیش کریں۔ دعوت کو موثر بنانے کے لیے مناسب تدبیر پر عمل کریں اور با اثر انداز میں دعوت کو عام کریں۔ آخر وہ کیا اسباب و علل ہیں جس کے سبب دشمن آگے بڑھ رہا ہے اور مذہب اسلام کو زک پہنچا رہا ہے۔ اللہ عز و جل کا ارشاد ہے: ”کلمة الله هی علیا.“ اللہ کا کلمہ ہی سر بلند رہے گا۔ ارشاد فرمایا۔ ”یریدون أن یطفئوا نور الله بأفواههم والله متم نوره ولو کره الکافرون.“

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن — پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

از: ناظم علی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

تحریر و تقریر اور الیکٹرانک ذرائع سے رد نہیں کیا گیا تو قادیانیت کے خطرات بڑھ سکتے ہیں

یہود و نصاریٰ اپنے تمام تر آپسی شقاق و نفاق اور اختلاف کے باوجود ہمیشہ سے دین اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے مخالف و دشمن رہے ہیں اور رہتی دنیا تک ان کی دشمنی جاری رہے گی، اسلام کے استیصال اور مسلمانوں کے خلاف ان کی خفیہ اور ظاہری ریشہ دوانیاں جگ ظاہر ہیں، جو ہجرت مدینہ کے بعد ہی سے شروع ہو گئی تھیں۔

شروع سے ہی ان دونوں طاقتوں نے اپنے مقصد کے لیے کئی طریقے اپنائے (1) اسلام دشمن طاقتوں کو اسلام کے خلاف ہر ممکن امداد و تعاون کیا (2) منافقین کی شکل میں مسلمانوں کی صفوں میں خارجی ایجنٹ داخل کردیے (3) مسلمانوں کے اندر اعتقادی تشکیک اور تذبذب پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے، (4) مال و زر اور منصب و اقتدار کا لالچ دے کر خود مسلمانوں کے اندر ہی سے مسلمانوں کے بھیس میں اسلامی اعتقاد و اتحاد کے خلاف سازشیں رچنے والے افراد اور فرقے پیدا کیے اور ان کی بھرپور حوصلہ افزائی و پشت پناہی کی اور انھیں مادی و معنوی تعاون دیتے رہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں قرون اولیٰ ہی سے نئے نئے فرقے پیدا ہوتے رہے، جیسے مرجئہ، قدریہ، خوارج، شیعہ، معتزلہ وغیرہ، اور پھر بعد میں سبائیت، وہابیت، دیوبندیت، قادیانیت، نیچریت جیسے فرقے نمودار ہوئے اور اسی کے نتیجے میں دور نبوت ہی میں جھوٹے مدعیان نبوت مسیلمۃ الکذاب، اسود عنسی اور سجاح بنت حارث [ایک عورت] نے نبوت کے بند دروازے میں سیندھ ماری کی کوشش کی، اس کے بعد سے تا حال یہ سلسلہ جاری ہے اور آئندہ اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک کہ حدیث کی روشنی میں تیس کی تعداد پوری نہیں ہو جائے گی۔ حضور خاتم الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی [مسند احمد 5/278]

ترجمہ: بے شک میری امت میں تیس جھوٹے ہوں گے کہ ہر ایک اپنے کو نبی کہے گا، جب کہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم بالخصوص حضرت سیدنا صدیق اکبر حضرت شہر بن باذان، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت معاذ بن جبل، حضرت خالد بن ولید نے بروقت اقدام کر کے ان داخلی دشمنان دین کی سخت سرکوبی فرمائی، دور نبوت کے بعد دور صدیقی میں نبوت کے جھوٹے دعوے داروں میں طلیحہ بھی تھا، جو بعد میں مسلمان ہو گیا، اسی زمرے میں ایک نام مختار ثقفی کا بھی ہے، جس کی سرکوبی حضرت مصعب بن زبیر نے فرمائی۔

خلافت راشدہ کے بعد بھی کچھ لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، اور ارتداد اور دعوائے نبوت کی وجہ سے انھیں اس زمانے کے مسلم حکمرانوں اور علما و مشائخ نے خارج از اسلام قرار دینے کے ساتھ ساتھ گرفتار کر کے سزائے موت دی، اور اسلام اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچایا۔ اموی خلیفہ عبدالملک کے دور میں حارث نام کے ایک شخص نے اور عباسی خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں بھی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

1900ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزوں کی سازش اور منصوبے سے قادیان پنجاب میں تدریجاً بڑی ہوشیاری سے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔

مرزا نے تقریباً چوبیس سال کی عمر میں انگریزی حکومت کے ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے آفس میں پندرہ روپے ماہوار تنخواہ پر بحیثیت کلرک نوکری شروع کی اور اس طرح اس نے تاج برطانیہ کا قرب حاصل کیا، اور انگریز سامراج نے مرزا کو اپنے مطلب کا آدمی پا کر مسلمانوں میں افتراق و انتشار کے لیے اسے خوب استعمال کیا۔

پہلے اس نے آریوں اور پادریوں کے خلاف مناظر و مصلح کی حیثیت سے کام شروع کیا، جس سے خواص و عوام کا ایک حلقہ متاثر ہوا، پھر ملہم و مجدد ہونے کا دعویٰ کیا، 1888ء میں مہدی موعود بنا، پھر 1890ء میں حیات عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور مثیل مسیح

بنا، اور پھر ظلی و بروزی اور غیر تشریعی نبی اور پھر اصلی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔

29 مئی 1908ء میں اچانک ہیضے میں مبتلا ہو کر لاہور میں پاخانہ کے اندر مر گیا اور قادیان میں دفنا دیا گیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریک قادیانیت نے بہت سے عوام کے ساتھ پڑھے لکھے کچھ خواص کو بھی متاثر کیا، اس کی سب سے پہلی کتاب براہین احمدیہ شائع ہوئی تو غیر مقلد مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس کی تعریف کی اور اس کے حق میں طرف دارانہ تبصرہ اور دفاع کیا، حتیٰ کہ مرزا قادیانی اسی مولوی کی مسجد میں لاہور کے اندر کافی دنوں تک مہمان بھی رہا۔

لیکن اہل حق علما نے اس کی پہلی کتاب براہین احمدیہ کی اشاعت سے مرزا کے اگلے منصوبوں کی بد بو محسوس کر لی اور اس کی مخالفت اور تعاقب کے لیے کمر بستہ ہونے لگے، جن میں سر فہرست حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، حجۃ الاسلام حامد رضا خان بریلوی، فاتح قادیان حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی متوفی ۱۳۵۶ھ/۱۹۲۷ء، مولانا پیر جماعت علی شاہ متوفی ۱۹۵۱ء پروفیسر الیاس برنی قادری، مولوی کریم الدین دبیر، مولوی محمد حسن فیضی، مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی صدیقی علیہم الرحمہ ہیں۔

پیر سید مہر علی شاہ صاحب کو ان کے پیر حضرت حاجی امداد اللہ مکی رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانیت کی سرکوبی کی مہم پر لگایا، حضرت پیر مہر علی شاہ نے اس کے خلاف رائے عامہ ہموار کی اور دیگر علما کو لے کر دورے کیے، اور رد قادیانیت کو تحریک کی شکل دی، آپ کی تحریک سے مرزا بوکھلا اٹھا، اور گالی گلوج پر اتر آیا، 1899ء میں آپ نے رد قادیانیت میں ''شمس الھدایۃ'' نامی کتاب لکھ کر حیات مسیح پر زبردست دلائل قائم فرما کر اس کی دھجیاں بکھیر دیں، جس سے بوکھلا کر مرزا قادیانی نے شاہ صاحب کو عربی تفسیر نویسی کا چیلنج دے دیا، شاہ صاحب چیلنج قبول کر کے مقررہ تاریخ 25 اگست 1900ء سے ایک دن پہلے ہی لاہور پہنچ گئے، لیکن مرزا سامنے نہیں آیا، الٹے یہ جھوٹا اشتہار چسپاں کروا دیا کہ پیر مہر علی فرار ہو گئے، اس موقع پر لاہور میں مسلمانوں کا غیر معمولی ازدحام ہوا تھا، لوگ لاہور میں شاہ صاحب کی موجودگی اور مرزا کی عدم موجودگی سے حیران رہ گئے، اور جشن فتح میں علما و مشائخ کی تقریروں کے ساتھ اس عجیب و غریب واقعے سے بھی مرزا کے مکر و فریب کا پردہ چاک ہوا اور بہت سے لوگوں نے قادیانیت سے توبہ کر لی اور سادہ لوح اور وہ لوگ جو مرزا کی اصلیت کا علم کم رکھتے تھے، حقیقت سے آگاہ ہو کر اس پنپتے ہوئے فتنے سے دور و نفور ہو گئے۔

شاہ صاحب نے مرزا کی عربی تفسیر اعجاز المسیح کے جواب میں ۱۹۰۲ء میں ''سیف چشتیائی'' تحریر فرمائی اور مرزا کی عربی دانی کی قلعی کھولی اور اس کے دعووں کی دھجیاں بکھیر دیں۔

پیر سید جماعت شاہ صاحب محدث علی پوری نے 1908ء میں بمقام لاہور مرزا کو مباہلہ کی دعوت دی، آپ نے انکار ہونے پر سر عام مرزا کی عبرت ناک موت کی پیش گوئی فرمائی، جو اسی سال مرزا کی پاخانے میں موت کی شکل میں صحیح ثابت ہوئی۔

چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ متوفی 1921ء نے اپنے فرض منصبی تجدید و احیائے دین اور سرکوبی اعدائے دین کی ادائیگی کرتے ہوئے قادیانیت کا بھرپور رد و ابطال کیا اور زبردست تنقید و تعاقب کر کے قادیانیت کا تیشہ محل چور چور کر دیا، رد وہابیت کے ساتھ رد قادیانیت میں بھی آپ کا کارنامہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ آپ کے کام کی قدر دانی آپ کے حریف وہابی بھی کرنے پر مجبور ہو گئے، اس سلسلے میں آپ نے پانچ رسالے تصنیف فرمائے۔

(1) جزاء اللہ عدوہ با بائہ ختم النبوۃ [ختم نبوت کے انکار پر دشمن خدا کو خدا کی سزا] 1317ھ

(2) السوء والعقاب علی المسیح الدجال [جھوٹے مسیح پر وبال اور عذاب] 1320ھ

(3) قھر الدیان علی المرتد بقادیان [قادیانی مرتد پر قہر خداوندی] 1323ھ

(4) المبین ختم النبیین [ختم نبوت بیان کرنے والا رسالہ] 1326ھ

(5) الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی [قادیانی مرتد پر خدائی تلوار] 1340ھ

جب کہ ان کے بڑے صاحب زادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمہ نے قادیانیت کے رد میں ''الصارم الربانی

،،لکھی، اوران کے نامور خلیفہ مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی نے ''مرزائی حقیقت کا اظہار'' لکھی۔

قادیانیت کی نشوونما سے آج تک علما و مشائخ علمی وسیاسی ہتھیاروں سے لیس ہوکر مرزائی تحریک کے استیصال اور تحفظ ختم نبوت کی تحریک میں برابر سرگرم عمل رہے۔

تاریخی اعتبار سے ان علما کی سرگرمیوں کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا دور 1890ء سے 1947ء تک۔ دوسرا دور 1947ء سے 1953ء تک۔ تیسرا دور 1953ء سے 1974ء تک اور چوتھا دور ۱۹۷۴ء سے تاحال۔

تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوسرے دور 1947ء میں تقسیم ہند کا سانحہ پیش آیا اور ایک نیا مسلم ملک پاکستان وجود میں آیا، قادیان تو بھارت کا ہی حصہ رہا، مگر چوں کہ قادیانی اثرات زیادہ تر پاکستان میں تھے، اس لیے قادیانی مرکز پاکستانی پنجاب کے مقام ''ربوہ'' میں قائم ہوا، پاکستان بنا تو پاکستانی حکومت میں بہت سے قادیانی بھی گھس آئے، حتی کہ خواجہ ناظم الدین کے دور وزارت عظمیٰ میں وہاں کا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان قادیانی رہ چکا ہے، اب قادیانی لوگ حکومت کی مشینری کا حصہ بن کر قادیانیت کی جڑیں مضبوط کرنے میں لگ گئے، اور جب خطرناک حد سے بڑھنے لگی تو سارے فرقوں کے علما کو اس فتنے کے سدباب کی فکر ہوئی، اور 1953ء میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت قائم ہوئی، جس میں خواجہ قمرالدین سیالوی، مولانا ابوالحسنات قادری، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا سید محمود احمد رضوی، مولانا عبدالحامد بدایونی علیہم الرحمہ نے بنیادی کردار ادا کیا، اوران حضرات نے سیاسی وحکومتی سطح پر کوششیں شروع کیں، اور ۱۹۵۲ء میں لاہور میں منعقدہ کنونشن کرکے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا زوردار مطالبہ کیا، اور وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین سے یہ بھی مانگ کی تھی کہ ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے، ان مطالبات کے لیے مسلمانوں نے جان ومال کی بازی لگادی اور بالآخر 1974ء میں وزیر اعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں خلیفۂ اعلیٰ حضرت مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی کے شہزادے قائد اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی متوفی 2003ء اور دیگر علما کی قیادت میں ۳۰رجون ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ پاکستانی پارلیمنٹ میں اٹھایا گیا، جسے تحریک کے ہیرو علامہ شاہ احمد نورانی نے نیشنل اسمبلی پاکستان میں پیش فرمایا، بحث کے بعد آخر کار پاکستان میں قانونی طور سے قادیانیت کو غیر مسلم اقلیتی فرقہ قرار دے دیا گیا، اور اس طرح عاشق رسول محافظ ناموس رسالت علامہ نورانی علیہ الرحمہ نے قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی، اور قادیانیت کو پاکستان میں سر چھپانا مشکل ہوگیا اور اسے پاکستان بدر ہوکر یورپ میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا، غیر مسلم اقلیتی فرقہ قرار دے دیے جانے کے بعد قادیانیت نے یورپ وامریکہ، افریقہ اور ایشیا کے دوسرے ملکوں میں ہاتھ پیر پھیلانا شروع کردیا، لیکن علما ومشائخ وہاں بھی اس کے تعاقب میں لگے ہوئے ہیں۔

ہمارے ملک ہندوستان میں بھی قادیانیت کے جراثیم مردہ نہیں ہوسکے تھے، ایک زمانے میں حیدرآباد میں اس کے کافی اثرات تھے اور فی الحال بھی قادیانیت یہاں اپنے پیر پسارنا چاہتی ہے، حیدرآباد کے ساتھ اڑیسہ، بہار، کرناٹک اور یوپی کے کچھ حصوں سے بھی اس طرح کی خبریں مل رہی ہیں، جو خطرے کی گھنٹی ہے، اگر دور حاضر کے علما و مشائخ اور دانشوروں نے منظم ہوکر حکیمانہ انداز سے تحریر وتقریر، الکٹرانک میڈیا اور دوسرے ذرائع سے اس کا ردو تعاقب نہیں کیا، تو خطرات بڑھ سکتے ہیں۔

راقم کی کتاب ''قادیانیت اور تحریک تحفظ ختم نبوت'' جو ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ کے ذمہ داروں کی خواہش پر 2000ء میں شائع ہوئی تھی، اور ختم نبوت کانفرنس امسٹرڈم ہالینڈ کے موقعے پر پوری دنیا میں پہنچائی گئی تھی، جس میں قادیانیت کی تاریخ، عقائد، اور اس کے انسداد کے لیے چلائی جانے والی تحریک تحفظ ختم نبوت کی تاریخ بیان کی گئی ہے، اس کی طلب چند سالوں میں ہندوستان کے مختلف صوبوں سے بڑھ گئی ہے، چنانچہ اس کا دوسرا ایڈیشن 2005ء میں '' آل انڈیا تبلیغ سیرت'' خانقاہ حبیبیہ دھام نگر بھدرک اڑیسہ کی طرف سے شائع ہوکر پورے اڑیسہ میں تقسیم ہوا۔ پھر تیسرا ایڈیشن پاکستان سے شائع ہوا، اور حال ہی میں چوتھا ایڈیشن گلبرگہ شریف کرناٹک سے شائع ہوا ہے۔

از: فروغ احمد اعظمی مصباحی، صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی

اشاریہ

ماہ نامہ اشرفیہ ۱۹۹۱ء

جلد:۱۶/ فروری تا دسمبر ۱۹۹۱ء

مولانا محمد قطب الدین رضا مصباحی

نمبر شمار	عنوانات	مضمون نگار	ماہ	صفحات
	ادار یہ			
۱	جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں	مولانا مبارک حسین مصباحی	فروری	۴-۸
۲	عرب کے صحرا میں تیسری عالمی جنگ کا ذمہ دار کون	مولانا مبارک حسین مصباحی	مارچ	۳-۹
۳	اسلامی نصب العین کی ہمہ گیری اور آفاقیت	مولانا مبارک حسین مصباحی	اپریل	۳-۷
۴	سعودی ووہابی تحریکوں پر ایک نظر	مولانا مبارک حسین مصباحی	مئی	۳-۵
۵	اسلامیان ہند کے لیے لمحۂ فکریہ اور راہ عمل	مولانا مبارک حسین مصباحی	جون	۳-۷
۶	جہان کربلا اور ہماری ذمہ داریاں	مولانا مبارک حسین مصباحی	جولائی	۳-۷
۷	پیغمبر اعظم اور فلسفۂ عشق واطاعت	مولانا مبارک حسین مصباحی	اگست-ستمبر	۳-۱۰
۸	جہیز میں فراوانی کے مضر اثرات اوران کا علاج	علامہ محمد احمد مصباحی	اکتوبر	۳-۶
۹	تحفظ عبادت گاہ ایکٹ پر ایک نظر	مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی	نومبر	۳-۴
۱۰	الجامعۃ الاشرفیہ کی تعلیمی وتعمیری پیش رفت	مولانا مبارک حسین مصباحی	دسمبر	۳-۷
	انوار سنت			
۱	معارف سنن	مفتی محمد شریف الحق امجدی	مارچ	۱۰
۲	معارف سنن	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اپریل	۸
۳	معارف سنن	مفتی محمد شریف الحق امجدی	مئی	۶
۴	معارف سنن	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جون	۸
۵	معارف سنن	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جولائی	۸
۶	معارف سنن	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اکتوبر	۷
	فقہیات			
۱	ٹی وی پر ٹیپو سلطان سیریل دیکھنا کیسا ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	فروری	۹-۱۱
۲	رصد گاہوں سے متعلق چند سوالات/ حقوق العباد میں بدمذہب وغیر مسلم کی تفریق/ تیرہ سال کے شخص کی امامت	مفتی محمد شریف الحق امجدی	مارچ	۱۱-۱۲
۳	تنخواہ وقف کے مسائل/ سامان جہیز پر زکوٰۃ/ ہینڈ پائپ میں نجاست چلی جانے کا حکم	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اپریل	۹-۱۰

……«تحقیقات»……

……«اسلامیات»……

……«نظریات»……

……«شخصیات»……

۶	علامہ محمد مبین الدین امروہوی (قسط-۲)	مولانا مبارک حسین مصباحی	اپریل	۳۰-۳۳
۷	صدیق اکبر اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم	محمد محب اللہ	مئی	۲۷-۳۰
۸	وہ بچہ کون تھا؟	اقبال احمد قادری	مئی	۳۱-۳۵
۹	شیخ العلما حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ	ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی	مئی	۳۶-۴۱
۱۰	مولانا محمد شفیع اعظمی، کچھ پرانی یادیں	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی	جون	۳۳-۳۸
۱۱	تجلیات مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ	مولانا اقبال احمد قادری	جولائی	۳۳-۴۰
۱۲	پیغمبر اعظم کی اولاد	غلام محی الدین فاروقی	اگست-ستمبر	۹۶-۹۸
۱۳	پیغمبر اعظم کے اصحاب اور جذبۂ عشق و جہاد	مولانا محمد محبوب عزیزی	اگست-ستمبر	۱۰۴-۱۰۶
۱۴	پیغمبر اعظم کا ایک جاں باز عاشق	ادارہ	اگست-ستمبر	۱۰۷-۱۱۰
۱۵	فرزند غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما (حضرت سیدنا عبد اللہ جیلانی بغدادی)	مولانا محمد حنیف خاں	اکتوبر	۲۵-۳۰
۱۶	مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی	ادارہ	اکتوبر	۳۹-۴۰
۱۷	مختصر حالات حضرآسی علی الرحمہ والرضوان	مولانا عبد الغفار اعظمی نوری	نومبر	۳۵-۳۷
۱۸	مولانا محمد قمر الحسن قمر مصباحی	ادارہ	نومبر	۳۸-۴۰
۱۹	حضرت سید شاہ ابو القاسم محمد اسماعیل حسن مارہروی	مولانا مبارک حسین مصباحی	دسمبر	۲۷-۳۰

......《عزیزیات》......

۱	حافظ ملت کے اخلاق عالیہ کی جھلکیاں	عبد الحکیم عزیزی مصباحی	دسمبر	۳۱-۳۳

......《تاریخیات》......

۱	جرأت مند قاضی حق پسند حکمراں	مولانا محمد صالح فرفور/ علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری	فروری	۲۷-۲۹
۲	عشق کی فتح	محمد زبیر قادری	فروری	۳۰-۳۲
۳	مسلمانوں کا دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک	محمد شہاب ظفر اعظمی	فروری	۳۳
۴	پیکر عشق	مولانا بدر القادری مصباحی	مارچ	۲۱-۲۳
۵	پیکر عشق	مولانا بدر القادری مصباحی	اپریل	۲۴-۲۶
۶	سبق آموز واقعات	مولانا محمد محبوب عزیزی	اپریل	۳۸-۳۹
۷	پیکر عشق	مولانا بدر القادری مصباحی	جون	۲۸-۳۰
۸	عشق مستجاب	سید اولاد رسول قدسی	جون	۳۱-۳۲
۹	شہادت حسین ایک مشن ایک مقصد	عابد نظامی	جولائی	۱۲-۱۷
۱۰	ایک سعادت مند نوجوان	علامہ محمد الحکیم شرف قادری	جولائی	۲۹-۳۲
۱۱	پیغمبر اعظم کے ماہ وسال ایک نظر میں	ادارہ	اگست-ستمبر	۱۱-۱۸
۱۲	پیغمبر اعظم کا ہمہ گیر انقلاب	علامہ ارشد القادری	اگست-ستمبر	۳۶-۴۲
۱۳	المجمع الاسلامی	علامہ محمد احمد مصباحی/ مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی	اگست-ستمبر	۱۱۱-۱۱۲

۱۴	سبق آموز واقعات	مولانا محمد محبوب عزیزی	اکتوبر	۴۱-۴۲
۱۵	معجزات رسول کی ایک جھلک	مولانا عبد الغفار اعظمی	نومبر	۹-۱۰
۱۶	عہد رسالت کی ایک حیات افروز داستان	مولانا شمیم احمد	نومبر	۳۲-۳۴
۱۷	سلطنتِ عثمانیہ پر ایک طاہرانہ نگاہ	مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی	دسمبر	۲۵-۲۶
۱۸	اشرفیہ سے الجامعۃ الاشرفیہ تک	مولانا مقبول احمد اشرفی مصباحی	دسمبر	۳۴-۴۲

......《ادبیات》......

۱	خطبۂ صدارت حافظ ملت سیمینار	مفتی محمد شریف الحق امجدی	فروری	۳۴-۳۸
۲	ہدیۂ تشکر بموقع جلسہ دستار فضیلت ۲۰ر دسمبر ۱۹۹۰ء	محمد مقبول احمد اشرفی مصباحی	مارچ	۳۸-۴۰
۳	سفر نامۂ حجاز (قسط-۱)	مولانا عبد اللہ خاں عزیزی	دسمبر	۱۹-۲۴

......《نقد و نظر》......

۱	**فتنوں کی سرزمین کون؟ نجد یا عراق** (تصنیف: مفتی محمد شریف الحق امجدی)/ **حافظ ملت افکار اور کارنامے** (ترتیب: مولانا مبارک حسین مصباحی)/ **خلیج کا بحران ایک تفصیلی جائزہ** (ترتیب: مولانا یٰسین اختر مصباحی، مولانا مبارک حسین مصباحی، تقدیم: علامہ محمد احمد مصباحی)/ **معارف حدیث** (تصنیف: حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ)/ **ارشاد القرآن** (تصنیف: حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ)/ **دیوبندی عقائد (ہندی)** (تصنیف: حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ ترجمہ: مولانا عبد المجتبیٰ رضوی)	مولانا مبارک حسین مصباحی	فروری	۳۹-۴۱
۲	**جمیل الشیم** (کاوش: مولانا بدر القادری)/ **تنقید برمحل** (تصنیف: مولانا عبد الحق رضوی مصباحی)	علامہ ارشد القادری	مارچ	۴۳-۴۴
۳	**حافظ ملت افکار اور کارنامے** (ترتیب: مولانا مبارک حسین مصباحی)	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی	اپریل	۴۲-۴۳
۴	**جہانِ مسعود** (ترتیب: آر. بی. مظہری)	مولانا محمد عبد المبین نعمانی	مئی	۴۳-۴۴
۵	**حدیث نبوی** (ترتیب: ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)	مولانا محمد عبد المبین نعمانی	جون	۴۲-۴۴
۶	**آئینۂ رضویات** (ترتیب: پروفیسر مسعود احمد)/ **اسلام اور شادی** (تصنیف: مولانا محمد وارث جمال قادری)	مولانا محمد عبد المبین نعمانی	نومبر	۴۱-۴۲

......《منظومات》......

۱	طلبۂ اسلام کے نام/ نعت مقدس	/ مولانا بدر القادری/ ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی	فروری	۲/۳۲
۲	یا مصطفیٰ یا مصطفیٰ/ نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	ملک الظفر اکمل سہسرامی/ پروفیسر طلحہ رضوی برق	مارچ	۴۱
۳	ماہ منور/ نعت شریف/ قوم سے خطاب	مولانا نسیم بستوی/ حافظ محمد عمر/ بدر اشرفی	اپریل	۲/۱۰/۴۵
۴	منقبت در شان مولانا محمد شفیع اعظمی	مضطر مبارک پوری	مئی	۲
۵	نعتیں	مولانا حسن رضا بریلوی/ سید اولاد رسول قدسی	جون	۲/۲۰
۶	نعت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم/ منقبت در شان امام حسین/	بدر القادری/ بیکل اتساہی/ عبد الشکور/	جولائی	۲/۲۸/

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نقد و نظر

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں

نام کتاب : **خانوادۂ رضویہ کی شعری وادبی خدمات**
مصنف : مولانا محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی
صفحات : 80
ناشر : رضا اکیڈمی، ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک ممبئی-9
مبصر : محمد صادق رضا مصباحی (مدیر ہفت روزہ مسلم ٹائمز، ممبئی)

مولانا محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی نژادنو سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی جولان گاہ فکر وعمل تب وتاب زندگی سے روشن ہے، کئی سالوں کی مسلسل قلمی وفکری ریاضت کے بعد ان کا اسلوب بھی صحت مند ہو چکا ہے، اور ان کی فکر بھی بلوغت کے قریب ہے، ان کی حیات کے ۲۵۔۲۶ ورق پلٹ چکے ہیں اور عمر کے اس پائدان پر کھڑے ہو کر وہ باذوق قارئین کو اپنی ایک تصنیفی کاوش دینے میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ کتاب کی ظاہری خوبیاں معنوی خوبیوں سے ہم آمیز نہیں ہیں۔ کتاب کا نام "خانوادۂ رضویہ کی شعری وادبی خدمات" ہے، اتنے اہم اور تفصیل طلب موضوع کو صرف ۸۰ صفحات میں سمودیا گیا ہے، اگر فہرست کے سات صفحات اور تقریظ وتقریب وغیرہ کے پندرہ صفحات نکال لیے جائیں تو اصل کتاب کے صرف ۵۸ صفحات بچتے ہیں۔ انتساب "رضویات پر کام کرنے والے جملہ محققین، دانش وران، علما، فضلا، شعرا، ادبا کے نام" ہے، مصنف کا انتساب اور بصد خلوص ومحبت ذاتی طور پر مجھے بڑا پسند آیا، ان دونوں میں مصنف نے اپنے احساس کی لہروں کو حرف ومعنی کے ربط وضبط سے بہت اچھی طرح کاڑھا ہے، البتہ خطاب کے لیے لفظ "او" کا استعمال دامن نظر سے الجھا۔ "بصد خلوص ومحبت" میں اپنی والدہ محترمہ مرحومہ کے تئیں اپنے اندرونی جذبات کو اظہار کی راہ دی ہے، اس سے ایسا لگتا ہے کہ حرف ولفظ پر غم کی چادر اوپر سے نہیں اوڑھائی گئی ہے، بلکہ لفظ لفظ کے روزن سے درد اور کسک جھانکتا دکھائی دیتا ہے۔

اصل کتاب کا آغاز صفحہ ۱۶ سے ہوتا ہے، ہلکی تمہید کے بعد سب سے پہلے مولانا رضا علی خان علیہ الرحمہ کی ادبی خدمات کو جگہ دی گئی ہے، مگر شعری خدمات کو پتا نہیں کیوں اجاگر نہیں کیا گیا ہے، اس کے بعد مولانا نقی علی خان علیہ الرحمہ کی ادبی خدمات کو تحریری اسکرین پر دکھایا گیا ہے، مگر اس اسکرین پر کوئی بھی شعری تصویر ہمیں نظر نہ آسکی، ان دو بزرگوں کی ادبی خدمات اور تذکرے میں بہت زیادہ اجمال سے کام لیا گیا ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا قادری بریلوی کا آئینہ خدمات نسبتاً بڑا ہے، اس میں ان کی ادبی وشعری خدمات کے خال وخط صاف نظر آتے ہیں، امام احمد رضا قدس سرہ کے بعد مولانا حسن رضا خان، مولانا حامد رضا خان، حضور مفتی اعظم ہند، مولانا حسنین رضا، مولانا ریحان رضا، مولانا تحسین رضا خان اور اخیر میں علامہ اختر رضا خان ازہری کی شعری وادبی کاوشات کو حرف ولفظ کے البم میں سجایا گیا ہے اور فکر وفن وادب وشعر میں ان بزرگوں کی دسترس پر قلمی تجسیم کاری کی گئی ہے، کاغذ اور سر ورق عمدہ ہیں۔ ایک مقام پر صاحب کتاب نے اس شعر (ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم۔ جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں) کو امام احمد رضا کا شعر گردانا ہے، میری مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ تحقیق وتفتیش کی ریت میں فکر کی کدال سے ذرا اس حقیقت کا چشمہ نکالیں کہ یہ شعر امام احمد رضا کا ہے یا حضرت داغ دہلوی (استاذ مولانا حسن رضا خان) کا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس میں مولانا ابراہیم رضا خان عرف جیلانی میاں کی خدمات سے صرف نظر کیا گیا قصداً یا سہواً، اس کے جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ۔

مؤلف محترم کی یہ اولین کاوش ہے، دوسری کاوشات منتظر طبع ہیں، رضویاتی ادب میں اسے اہم اضافہ کہا جا سکتا ہے، اگر وہ اس سلسلے میں مزید تحقیق کر کے اضافہ کرنا چاہتے ہوں اور وہ یقیناً چاہتے ہیں تو یہ کتاب گویا نقش اول ہے، اب پتا نہیں نقش ثانی کے لیے ہم لوگوں کو کتنا انتظار کرنا ہوگا۔ مصنف کا لباس تحریر بھی دیکھنے والوں کو بھاتا ہے، اس پر علامات واستعارات کے گل بوٹے گرچہ نہیں لگائے گئے ہیں، لیکن سادگی اتنی ذائقہ دار ہے کہ مطالعے کی زبان اس کا مزہ ضرور لیتی ہے۔

خیر کہنا تو بہت کچھ ہے، مگر ایک طرف میر انیس کا یہ قول ہے "انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو" اور دوسری طرف تقریظ نگار حضرت ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کے اس ریمارک نے ("آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ "یہ اور وہ ہوتا تو اچھا ہوتا اور یہ اور وہ نہ ہوتو بہتر ہوتا، یا یہ ہوتا اور وہ نہ ہوتا، یا وہ ہوتا یہ نہ ہوتا تو کیا بات ہوتی") ہمارا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ ویسے ہمارے محترم تقریظ نگار جو رضویاتی ادب کے محقق ہیں، مصنف محترم کو اس کتاب کی تالیف میں ان کے قیمتی مشوروں سے استفادہ کرنا چاہیے تھا اور خود مصنف کو بھی پیش لفظ وغیرہ میں اس کتاب کی ترتیب وتشکیل کے اسباب اور صورت حال وغیرہ کو بیان کرنا تھا جو نہیں ہو سکا۔

مؤلف محترم پوری جماعت کی جانب سے شکریے اور مبارک باد کے مستحق ہیں، اور پوری جماعت اہل سنت کو ان سے مستقبل میں کافی امیدیں وابستہ ہیں اور خیر سے ابھی وہ ایک دم نوجوان ہیں، ابھی ان کو بہت سارے قلمی وفکری، عملی وتحقیقی مہمات سر کرنا ہے۔ اس کتاب کی طباعت کا ہار رضا اکیڈمی ممبئی نے اپنے گلے میں ڈالا ہے، قیمت کا اندراج نہیں ہے، شاید اس لیے نہیں کہ یہ معنوی حیثیت سے لاقیمت ہے۔ ☆☆☆☆

نعتیں

از: حضرت بیکل اتساہی، بلرام پور

سامنے اُن کے در کا نظارا تو ہے

اوج پر میری قسمت کا تارا تو ہے
میرا نعتِ نبی پر گزارا تو ہے
حشر کے دن مجھے خوف کاہے کا ہو
میں نے آقا کو دل سے پکارا تو ہے
گہرے ساگر کو میں پار کر جاؤں گا
بیڑا نامِ نبی پر اتارا تو ہے
خلد و فردوس لے کر کروں، کیا کروں
سامنے اُن کے در کا نظارا تو ہے
چوموں قدموں کو، اس ایک سکھ کے لیے
دکھ زمانے کا ہر اک گوارا تو ہے
کیا کروں لے کے جگ کی نئی روشنی
شہر طیبہ کا نوری منارا تو ہے
کہہ دیں اک بار وہ اپنا بیکلؔ مجھے
جذبۂ عشق کا یہ سہارا تو ہے

مجھ کو نعتِ رسول لکھنا ہے

اے مری فکر اب وضو کر لے، مجھ کو نعتِ رسول لکھنا ہے
سیرتِ پاکِ مصطفیٰ کے طفیل زندگی کا اصول لکھنا ہے

یہ ہے عظمت کا سازِ رعنائی، وہ ہے شہرت کا سوزِ زیبائی
سب زمانے کے لطفِ دولت کو پائے اقدس کی دھول لکھنا ہے

یہ سیاست کی گرمیاں دہکیں، وہ وزارت کی کرسیاں لہکیں
راہِ عشقِ شہِ دوعالم میں اِس سفر کو فضول لکھنا ہے

ذکرِ محبوبِ رب میں کھو جاؤں، ساری دنیا سے دور ہو جاؤں
خار زارِ رہِ مدینہ کو اپنی قسمت کا پھول لکھنا ہے

یہ جمادات ہیں وہ حیوانات، یہ وہ نباتات ہیں وہ ایجادات
کوے طیبہ میں ساری دنیا کا جو بھی ہے عرض وطول لکھنا ہے

نعت گوئی ہی تیری قسمت ہے، تجھ پہ بیکلؔ نبی کی رحمت ہے
تیرا زورِ قلم سلامت ہے، اُن کے در پر قبول لکھنا ہے

میرا نبی توقیر نجات

محشر میں بے سدھ ہر ذات — میرا نبی توقیرِ نجات
شجرِ کن کی جڑ ہیں آپ — دنیا میں سب شاخ اور پات
آپ کی صورت، سیرت دیکھ — پڑھ لے قرآں کی آیات
نقشِ کفِ پا کی ہے بھیک — کاہکشاں، تاروں کی برات
جھک جھک چومیں سورج چاند — شہر مدینہ کے ذرات

غوثِ پاک کا فیض ہوا
تم نے بیکلؔ لکھ لی نعت

صدائے بازگشت

یہ کالم ایک "صلاے عام ھے یاران نکته داں کے لیے" اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی

کیا امریکه اور یورپ میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ھے

گرامی قدر مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب
السلام علیکم

پچھلے کچھ دنوں سے مسلم حلقے میں ایسی باتیں کی جا رہی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کل امریکہ اور یورپ میں اسلام بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ ان کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے عوام میں اسلام کی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی ہے اور آثار سنہرے ہو گئے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعی ایسا ہو رہا ہے یا یہود و نصاریٰ کی ایک بڑی سازش کے تحت مسلمان ایک بڑے فریب کا شکار ہو گئے ہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جب خود مسلمان اسلام بیزار ہو چکے ہیں، وہ اسلامی تہذیب اور اسلامی قوانین کے باغی ہو چکے ہیں، تب دوسری قومیں اسلام کی پناہ میں آنے کی کیسے سوچ سکتی ہیں؟ ماضی میں اسلام تو خالقِ کائنات کی حمایت، محسن انسانیت کی صبر و قناعت اور ان کی دعاؤں سے پھیلا ہے، اولیاے اسلام کی خدمتِ خلق سے پھیلا ہے، بزرگوں کی قابلِ اتباع مثالی زندگی، ان کے اخلاص، ان کے اعلیٰ کردار و عمل اور ان کے حسن اخلاق سے پھیلا ہے۔ ان کی وفاداری، ان کی سچائی، ان کی دین داری، ان کی بے باکی اور سب سے بڑھ کر ان کی فنائیت در خالقیت و رسالت سے پھیلا ہے۔ غازیانِ اسلام اور شہداے کرام کی قربانیوں سے پھیلا ہے۔ مگر آج مسلمان تو مذکورہ تمام اعلیٰ خصائص کے بالکل برعکس ہو چکے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ دنیا کی سب سے کم زور اور سب سے زیادہ ذلیل و خوار قوم کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔ آج وہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم اور سب سے زیادہ غیر محفوظ ہو کر وہ دوسری قوموں کے لیے ناقابل اتباع ہو چکے ہیں۔ ایسی حالت میں بھلا دوسری قومیں بڑے پیمانے پر قبولِ اسلام کیسے کر سکتی ہیں؟ بلاشبہہ یکا دکا قبولِ اسلام آج بھی ممکن ہے۔

مذکورہ اشاعت اسلام کی باتیں امریکہ اور یورپ کے تعلق سے کی جا رہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر اشاعت اسلام صرف امریکہ اور یورپ ہی میں کیوں ہو رہی ہے؟ ایشیائی ممالک بالخصوص ہندستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں کیوں نہیں ہو رہی ہے؟ چند ہفتے قبل پاکستان کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی یوسف یوحنا کے قبول اسلام کی خبر آئی تھی، لیکن اس عیسائی کے تعلق سے یہ کیسے یقین کر لیا جائے کہ اس نے ایسا سچے دل سے کیا ہے اور اس کے پیچھے کوئی بڑا دنیاوی مقصد نہیں ہے؟ غالباً گمان تو ہے کہ اس نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ وہ جلد سے جلد پاکستان کرکٹ ٹیم کا کپتان بن سکے۔ کیوں کہ مسلم ملک پاکستان میں مسلمان کھلاڑیوں کے رہتے وہ عیسائی ہو کر کپتان بن ہی نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح ہمارے اطراف میں بھی کبھی کبھی ایسا دیکھنے اور سننے کو مل جاتا ہے کہ کوئی غیر مسلم مسلمان ہو چکا ہے۔ مگر جب تحقیق کی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ فریبی یا دھوکے باز یا چندہ خور ہے۔

امریکہ اور یورپ میں بڑے پیمانے پر قبول اسلام کی باتیں کرنے والے اپنی باتوں کی حمایت میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ آج کل وہاں اسلامی کتب کی مانگ بہت بڑھ گئی ہے اور وہاں کے عوام ان کے مطالعہ میں پیش پیش ہیں۔ ان کی یہ بھی دلیل ہے کہ وہ لوگ وہاں موجود ہندو پاک کے علماے اسلام سے رابطہ بڑھا رہے ہیں اور ان سے اسلام کی معلومات حاصل کر رہے ہیں، یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں پر ایمان بھی لا رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ملک کے ایک بڑے ریٹائرڈ انگریزی کے صحافی و نقاد خشونت سنگھ کی تحریر پر توجہ دینی چاہیے۔ کچھ دنوں پہلے انھوں نے ہندستان ٹائمز کے اپنے ہفتہ وار کالم میں لکھا تھا کہ: "امریکہ اور یورپ میں عام طور پر کتب بینی کی شرح بہت زیادہ ہے۔ وہ معیاری اور غیر معیاری، ضروری اور غیر ضروری خاص کر نئی کتابوں کا خوب مطالعہ کرتے ہیں۔ مگر امریکہ کے لوگ عام طور پر غیر معیاری اور غیر ضروری کتابوں کو زیادہ پڑھتے اور پسند کرتے ہیں۔" اسی طرح یہاں کے لوگ اپنی روایت کے مطابق اگر اور مذاہب کے ساتھ اسلام کا بھی مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں

ہمارے لیے خوش فہمی کا کوئی سامان نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ امریکہ اور یورپ میں بہت زیادہ خوش حالی بھی ہے۔ اتنی زیادہ خوش حالی ہے کہ ہم ہندستانی اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ کچھ دنوں پہلے ایک رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ: ”ہندستان کے سو آدمی ایک دن میں جتنا خرچ کرتے ہیں اور یورپ کا ایک آدمی اتنا ایک دن میں خرچ کرتا ہے۔“ یہاں کے لوگ بہت فضول خرچ بھی ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر قدرتی اور انسانی وسائل کی بربادی ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب وہاں اتنی زیادہ خوش حالی اور فضول خرچی ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک روپے پیسے کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہے، تو بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی فضول خرچیوں کی عادت کے مطابق اسلامی کتب کی خریداری کرتے ہوں یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اسلام دشمن یا مسلمانوں سے نفرت کی بنیاد پر اپنی غلاظتوں کو صاف کرنے کے لیے خریداری کرتے ہوں۔ کیوں کہ یہود و نصارا اپنی فطرت اور اپنی شر پسندی کے مطابق کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ چند سال پہلے ہی کی تو بات ہے جب رپورٹ آئی تھی کہ کیوبا میں موجود اپنے فوجی اڈے پر جہاں افغانستان کے مسلم قیدی رکھے گئے تھے اور جنھیں زبردست اذیتیں دی گئی تھیں وہاں امریکی فوجیں قرآن کے پنوں سے اپنی غلاظتوں کو صاف کرتی تھیں اور اس مقدس کتاب کو نالیوں میں بہا دیا تھا۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مذکورہ دونوں قومیں فطرتاً جھوٹے، شر پسند، فسادی، فریبی، خونی، منافق اور ظالم و جابر ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے خود دور رہنے اور اپنے سے انھیں دور رکھنے کی سخت ہدایات دی گئی ہیں۔

سب سے اہم سوال یہ ہے کہ اگر واقعی امریکہ اور یورپ میں اسلام تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے تو اس کا اظہار وہاں کی حکومتوں کی ان پالیسیوں سے کیوں نہیں ہو رہا ہے جن کا تعلق مسلمانوں یا مسلم ممالک سے ہے۔ برعکس اس کے دیکھا تو یہ جا رہا ہے کہ ہنوز ان کی پالیسیوں میں اسلام دشمنی شدت میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ جب وہاں کے لوگ اسلام میں رغبت رکھتے تو یقیناً وہ اپنی حکومتوں کو اسلام اور مسلمان مخالف پالیسیوں کو اپنانے سے روکتے، جیسا کہ جب 1960ء کی دہائی میں امریکہ بلا واسطہ ویتنام کی جنگ میں ملوث تھا جس میں اس کے 58 ہزار فوجی ہلاک ہوئے تھے تب وہاں کے عوام کے دباؤ پر امریکہ نے اپنی فوج واپس بلالی تھی، البتہ بالواسطہ اپنی شمولیت کو اس جنگ میں قائم رکھا تھا۔ مگر اب دوبارہ امریکی اور یورپی فوجیں افغانستان اور عراق میں ہزاروں کی تعداد میں ماری جا چکی ہیں اور آج بھی ماری جا رہی ہیں تب ان ممالک کے عوام اپنی حکومتوں پر اپنی افواج کو واپس بلانے کی پر اثر مانگ کیوں نہیں کر رہی ہیں؟ موجودہ حالات میں تو یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی عوامی دباؤ ہے ہی نہیں۔ کبھی کبھی جو میڈیا میں اس تعلق سے خبریں آتی ہیں وہ دنیا کو فریب دینے کے لیے ہوتی ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ متضاد باتیں کرتے ہیں اور اس طرح دنیا کو دھوکا دیتے ہیں۔ مثلاً امریکی صدر بش ایک طرف اسلام کی تعریف کرتے ہیں مگر دوسری طرف مسلم ممالک کو یکے بعد دیگرے تباہ بھی کر رہے ہیں۔ کیا ہم نہیں دیکھ رہے ہیں کہ پچھلے پچاس سالوں سے امریکہ اور یورپ کی مدد اور حمایت سے اسرائیل فلسطینیوں کو بار بار خون میں نہلا رہا ہے، انھیں ناقابل، بیان اذیتیں دے رہا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے فلسطین پر زمینی اور ہوائی حملے شروع کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے صلح کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ مگر امریکہ اور یورپ کے ساتھ ساتھ بے غیرت پوری اسلامی دنیا تماشا دیکھتی رہتی ہے۔ اسرائیل فلسطین کے مسئلے کو حل کرنے کے سلسلے میں ایک قدم آگے اور دو قدم پیچھے چل کر صلح و امن کا مذاق اڑا رہا ہے۔ آخر یہ زیادتیاں کس کی حمایت اور مدد سے ہو رہی ہیں؟ ظاہر ہے کہ اسرائیل کو شہ دینے والی صرف امریکہ اور یورپ کی حکومتیں نہیں ہیں بلکہ وہاں کے عوام بھی ہیں جو یہودی اور عیسائی آبادی پر مشتمل ہیں۔ اور خود امریکہ جب چاہتا ہے عراق اور افغانستان نیز پاکستان میں بم باری کر کے مسلمانوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔

اب ذرا ہندستان کے حالات پر ایک نگاہ ڈالیں۔ یہاں بھی کوئی بڑا قبولِ اسلام نہیں ہو رہا ہے، بجائے اس کے یہاں کے حالات اتنے ابتر ہیں کہ یہاں اسلام پر قائم رہنا ہی مشکل ہو گیا ہے۔ آج کل ملک کے مختلف حصوں میں مسلم کش فسادات ہو رہے ہیں۔ مہاراشٹر، راجستھان، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، آسام وغیرہ میں ایک ساتھ فسادات ہوئے ہیں۔ تمام مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ آج کی دنیا طاقت کے آگے

جھک رہی ہے۔ جب مسلمان دنیا کی سب سے زیادہ کم زور، مظلوم، غیر منظم دوسروں کے آگے جھکنے والے ہو گئے ہیں تب ان کے آگے دوسری قوم کیسے جھکے گی؟ یہاں کی سیاست، حکومت، انتظامیہ، تعلیم، اقتصادیات اور سائنس و ٹیکنالوجی میں مسلمانوں کا کوئی قابلِ ذکر مقام نہیں ہے۔ کیا یہاں مرکزی یا صوبائی حکومتوں میں مسلمانوں کو کوئی اہم وزارت دی جاتی ہے؟ ہندستان کے سیاسی افق پر کیا کوئی بڑا مسلم ستارہ ہے؟ یہاں کے ہزاروں ارب پتی اور کھرب پتی صنعت کاروں میں سوائے ایک یا دو کے کوئی تیسرا مسلمان نہیں ہے، جو ہے وہ بھی یہاں کے غیر مناسب ماحول کے پیش نظر اپنے آپ کو مسلمان کہنا، یا کہلوانا نہیں چاہتا ہے۔ یہاں اگر کسی مسلم سیاست داں کو کسی پارٹی کے سربراہ کی قربت مل جاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ اس احسان کے بدلے وہ اپنے سربراہ اور اس کی پارٹی کی قسمیں کھانے لگتا ہے۔ ان کی خوشامد اور ان کی خدمات میں اپنی معراج سمجھنے لگتا ہے۔ وہ جھوٹ پر جھوٹ بولنے لگتا ہے اور اس طرح اپنی قوم کو گم راہ کرتا ہے۔ وہ اسلامی غیرت کو فروخت کر کے دلالی کرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی قوم سے غداری یعنی قوم فروشی کرنے لگتا ہے۔ یہاں کے کسی مسلمان کو اگر معمولی وزارت بھی مل جاتی ہے تو قوم اسے اپنے لیے بہت بڑی نعمت سمجھنے لگتی ہے۔ یہاں اگر کوئی مسلمان انتظامیہ کے لیے افسر کے طور پر چن لیا جاتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لیے اس خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ کہیں اس کے سروس ریکارڈ میں قوم سے ہم دردی کا الزام نہ لگ جائے، ورنہ اس کی ترقی روک دی جائے گی۔ اس لیے وہ روشن خیال اور سیکولر نظر آنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ وہ اسلامی غیرت و اطوار چھوڑ کر غیر اسلامی طور طریقے اپنا لیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مذہب، اپنی تہذیب اور اپنی قوم کی برائی کرنے لگتا ہے اور کیا کیا کرنا پڑتا ہے، یہ سہیل وحیدی کی زبانی سنیے۔ وہ ”بھارت میں مسلمان ہونا“ کے تحت لکھتے ہیں:

”یہاں ہمیں اس لیے چنا گیا کہ سلیکشن بورڈ میں ایک اقلیتی نمائندہ موجود تھا...... نوکری جوائن کرنے کے آٹھویں دن ہی ایک پتر کار نے جو مکھ دھارا سے تعلق رکھتا تھا، کلکٹر سے میری شکایت کر دی۔ کلکٹر نے فوراً مجھے بلا کر ڈانٹ پلا دی۔ پوچھنے پر کہ غلطی کیا ہے، اور زیادہ ڈانٹ پلا دی۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ کلکٹر کی مجبوری تھی کیوں کہ وہ بھی مسلمان تھے...... مجھے ہر جگہ یہ احساس دلایا جاتا رہا کہ میں مسلمان ہوں۔“ از: ایک ہندی روزنامہ کا کترن۔

محمد سراج الدین شریفی، سہسرام

نوٹ: موصوف نے اپنے مکتوب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ ایک غلط پروپیگنڈہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں اسلام پھیل رہا ہے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی قلم کار اپنی رائے پیش کرنا چاہیں تو اشرفیہ کے صفحات حاضر ہیں۔ از: مدیر اعلیٰ

روداد چمن کا کالم ہر مہینے ہونا چاہیے

مدیر محترم ماہ نامہ اشرفیہ سلام مسنون

مادرِ علمی جامعہ اشرفیہ میں ۹ رسال تک زیر تعلیم رہا۔ اس طویل عرصے میں بہت کچھ سیکھنے، سمجھنے، دیکھنے، سننے کا موقع ملا، طرح طرح کے تجربات ہوئے، اساتذہ کی بابرکت صحبتوں سے فیض یاب ہوا۔ ان کی شفقتوں اور محبتوں نے کبھی بھی غریب الوطنی کا احساس نہ ہونے دیا۔ اب جب کہ پہلی بار مادرِ علمی سے جدا ہوا ہوں، عجیب احساسات سے دوچار ہوں۔ جامعہ اشرفیہ کا علمی و فکری ماحول، روضۂ حافظ ملت کی بہاریں، درس گاہ بلڈنگ میں درسی و تدریسی سرگرمیاں، عزیز المساجد میں سربسجود علما و طلبہ کا روح پرور منظر، امام احمد رضا لائبریری میں مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے مطالعہ میں طلبہ کا حد درجہ انہماک۔ طلبہ کی ادبی و ثقافتی سرگرمیاں شدت سے یاد آ رہی ہیں۔

مادرِ علمی کا علمی و فکری ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ ہم دور افتادہ غلامان حافظ ملت اور فرزندان اشرفیہ کے لیے ایک عظیم تحفہ ہے جس کے مطالعہ سے قلب و نظر کو سکون اور فکر و نظر کو تازگی ملتی ہے اور جامعہ اشرفیہ کی علمی و ادبی سرگرمیوں سے واقفیت ہوتی ہے۔ حسب معمول ماہ نومبر کا شمارہ اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ نظر نواز ہوا۔ مولانا شکیل احمد مصباحی نے اداریے میں ہندستان میں بڑھتے ہوئے دہشت گردی کے واقعات اور ان کے اسباب و مضمرات پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ شیر بازار کے طریق کار اور ان کے احکام کے تعلق سے استاذ گرامی حضرت مفتی نظام الدین رضوی نے نہایت تحقیقی گفتگو کی ہے۔ عصری مسائل پر اس

جامعیت کے ساتھ خامہ فرسائی انھیں کا حصہ ہے۔ مولانا تاج محمد خاں ازہری کا مضمون مجھے پہلی بار پسند آیا۔ انھوں نے اپنے طویل ترین مضمون میں نہایت اچھوتے انداز میں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شادیوں کے پاکیزہ مقاصد پر روشنی ڈالی ہے اور مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ ڈاکٹر محب الحق کا مضمون ''امریکی استعماریت امن عالم کے لیے بڑا خطرہ'' چشم کشا اور ارباب سیاست کے لیے دعوت فکر ہے۔ قاری شفیق اجمل صاحب نے روایتی اسلوب میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس وقت شاہ صاحب کی حیات وخدمات کے بجاے ان کے افکار ونظریات کی ترویج واشاعت اور ان کے عقائد ومعمولات کے تعلق سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ زیادہ اہم ہے۔ اصحاب علم وقلم کو اس جانب توجہ دینی چاہیے۔

بزمِ دانش کے کالم میں ''طلبۂ مدارس کا کامیاب کیریر- کچھ رہ نما اصول'' کے عنوان سے مولانا محمد حسین مصباحی مدھوبنی، مولانا شہاب الدین مصباحی، مولانا رفیق الاسلام مصباحی اور محمد علی مراد آبادی کی تحریریں شامل اشاعت ہیں۔ تقریباً ان تمام لوگوں نے طلبۂ مدارس کے کامیاب مستقبل کے لیے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کا حصول ضروری قرار دیا ہے جس کی ایک حد تک میں بھی حمایت کرتا ہوں۔ مولانا رفیق الاسلام مصباحی بزم دانش میں پہلی بار تشریف لائے ہیں، امید ہے کہ آئندہ بھی اپنے افکار وخیالات سے ہم قارئین کو مستفید فرماتے رہیں گے۔ مولانا محمد علی مراد آبادی نے طلبہ کو اپنے اسلاف کے کارناموں کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے جو یقیناً طلبہ کے لیے ضروری ہے۔ انھوں نے بڑی غیر مانوس ترکیبیں استعمال کی ہیں ''سوانحِ عمریاں، تجارب'' نیز ''خمارِ ناکامی سے سرگرداں رہنا'' ذوق لطیف پر نہایت گراں ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ کی تعلیمی، تعمیری اور ادبی وثقافتی سرگرمیوں پر مشتمل روداد چمن کا کالم ہر مہینہ ہونا چاہیے۔ ہم جیسے ہزاروں قارئین کو اس کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ماہ نامہ اشرفیہ اور جامعہ اشرفیہ کو بامِ عروج پر پہنچائے۔ آمین۔

محمد ساجد رضا مصباحی، جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف (یو. پی.)

(ص:32 کا بقیہ)...... کی علمی قدر دانی طلبہ میں شوقِ تحصیل پیدا کرتی تھی۔ ان کی راتیں مطالعہ میں سحر ہو جایا کرتی تھیں اور وہ اپنے اعزا واقارب اور وطن تک کو مدت تحصیل علم تک فراموش کر دیا کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ دنیا کی نگاہوں میں ان کی عزت تھی، جہاں ان سے تہذیب سیکھنے کے لیے سر نیاز جھکا تا تھا، وہ جس کام کے لیے قدم بڑھاتے تھے کامیابی ان کا خیر مقدم کرتی تھی۔

آج بھی جو قوم با اقبال ہے اور جس جس کا مذاق بیدار ہے وہ ترقیِ علم میں محو ہے اور اس نے ممالک چیدہ چیدہ میں درس گاہیں جاری کی ہیں اور روز ان کی ترقی اور اضافہ کی کوشش جاری ہے۔'' (افکارِ صدر الافاضل، ص:۵۵)

میرے ممدوح نے ہر جائز تعلیم کی تحصیل کی تاکید وتعلیم فرمائی، مگر صرف دنیوی علوم اور انگریزی درس گاہوں سے کامیابی کا وہ نظریہ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ان کا کہنا تھا کہ یہ درس گاہیں جن مقاصد کے لیے قائم کی گئی ہیں ان سے وہی مقاصد حاصل ہوں گے، اس لیے مسلمانوں کو بہت پہلے دینی علوم اور مذہبی تعلیمات کی طرف توجہ دینے کی تاکید فرماتے تھے۔ چناں چہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کی تباہی کا یہ بہت بڑا سیلاب ہے کہ وہ مذہبی علوم سے بے تعلق ہونے کی وجہ سے اپنی خصوصیات کو محفوظ نہیں رکھ سکتے اور اپنی قومی وملی زندگی کو انھوں نے خود تباہ کر لیا۔ دنیا کی تمام ترقی یافتہ قومیں اپنے قومی خصائص کو محفوظ رکھتی ہیں اور اسی میں ان کی زندگی ہے۔'' (ایضاً، ص:57)

صدر الافاضل کی روشن خدمات دینیہ اور افکار علیہ پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ طوالت کے خوف سے انھیں سطور پر اکتفا کرتے ہوئے میں عرض گزار ہوں کہ ملت کے اس عظیم سپوت کے حیات اور کارناموں کو خوب اجاگر کیا جائے۔ ان کے فکری مقالات ومضامین جو السواد الاعظم جیسے موقر رسالے میں شائع ہوئے تھے، ان سے خصوصی استفادہ کیا جائے۔ بحمدہ تعالیٰ تنظیم افکار صدر الافاضل نے انھیں یک جا شائع بھی کر دیا ہے۔ ان کا مطالعہ کیا جائے اور ان کے یوم وصال پر خصوصی خراج عقیدت پیش کیا جائے اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی سعی کی جائے۔ واللّٰہ الموفق والمعین.

خیر و خبر

ممبئی میں علماے اہل سنت کا احتجاجی جلسہ

رضا اکیڈمی ممبئی کی دعوت پر ممبئی کی معروف دینی درس گاہ دار العلوم قادریہ اشرفیہ چھوٹا سونا پور ممبئی کے وسیع ہال میں 2/نومبر 2008ء بروز منگل ممبئی میں دہشت گردانہ حملوں کے خلاف ایک احتجاجی جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت مولانا الحاج سید معین الدین اشرف سربراہ دار العلوم ہذا وسجادہ نشین خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ نے فرمائی۔ جس میں ممبئی کی تمام سنی تنظیموں اور سنی مساجد کے ائمہ کرام نے شرکت کی جس میں بطور خاص رضا اکیڈمی ممبئی کے جنرل سکریٹری الحاج محمد سعید نوری، سنی جمعیۃ العلما کے سکریٹری مولانا منصور علی خاں، مولانا محمود عالم رشیدی، مولانا امان اللہ رضا، مولانا فخر عالم، اور قاری نیاز وغیرہ نے شرکت کی۔ اس جلسے میں میڈیا کی خاصی تعداد موجود تھی۔ اس جلسے میں حسب ذیل قرار دادیں پاس کی گئیں:

(1) شہر ممبئی کے تمام علماے اہل سنت نے بیک زبان شدید طور پر 26/نومبر 2008ء کے ممبئی میں ہونے والے حادثہ کی مذمت کی اور سب نے حکومت ہند نیز حکومت مہاراشٹر سے پرزور اپیل کی کہ وہ اس دہشت گردی کا سخت طریقہ سے مقابلہ کرے اور اس سلسلے میں پورا ملک ان کے ساتھ ہے۔ ہم ہر وقت ہر طرح اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے سخت ترین الفاظ میں اس کی مذمت کرتے ہیں اور حکومت وقت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس دہشت گردی سے مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تنہا محسوس نہ کرے۔ تمام علماے اہل سنت حکومت ہند کے ساتھ ہیں، اور جو بھی دہشت گرد اس معاملہ میں ہیں ان کو سخت سے سخت سزا دی جائے ایسی سزا جو دوسروں کے لیے عبرت ہو اور آئندہ کوئی اس کی جرأت نہ کر سکے۔

(2) دہشت گردی کا تعلق کسی بھی طرح سے اسلام اور مسلمانوں سے جوڑنا حد درجہ غلط ہے۔ اس موقع پر کچھ سیاسی پارٹیاں 26/نومبر 2008ء کے حادثہ پر سیاست کر رہی ہیں اور وہ غلط طرح کے بیانات بھی دے رہی ہیں اور بینرز بھی لگا رہی ہیں۔ ہم پرزور الفاظ میں اس تحریک کی مذمت کرتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس طرح کی تحریکوں پر روک لگائے۔

میڈیا کے متعدد افراد نے علما وسربراہوں سے متعدد سوالات کیے جس کے انھوں نے جوابات دیے۔ ایک سوال کے جواب میں سید معین الدین اشرف صاحب نے فرمایا کہ حملہ آوروں نے جس تنظیم یا جس ملک کے اشارے پر یہ کام کیا ہو چاہے، پاکستان، ہو یا اسرائیل یا امریکہ، اس کو دہشت گرد ملک قرار دیا جائے۔ مولانا منصور علی خاں نے بھی اس حملے کی پرزور مذمت کی اور اسے ہندستان کے امن وامان کے مخالف قرار دیا۔ رضا اکیڈمی کے سربراہ الحاج محمد سعید نوری نے کہا کہ ممبئی پر دہشت گردانہ حملوں کی ہم سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے بھی حملہ کیا ہے، وہ چاہے کسی بھی ملک سے تعلق رکھتے ہوں، وہ یقیناً غدار ہیں۔ یہ حملہ صرف ممبئی پر حملہ نہیں بلکہ ہندستان پر حملہ ہے، یہاں کے اتحاد پر حملہ ہے، یہاں کی قومی یک جہتی پر حملہ ہے جسے کبھی بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

اخیر میں سید معین الدین اشرف کی دعاؤں پر جلسے کا اختتام ہوا اور ملک کی ترقی کے لیے دعائیں مانگی گئیں۔

ملکی اور بین الاقوامی دہشت گردی کے خلاف ایک اہم اجلاس

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں تنظیم ابناے اشرفیہ کے زیر اہتمام ''ملکی اور بین الاقوامی دہشت گردی'' کے موضوع پر ایک اہم اجلاس ہوا۔ فلسطین غزہ میں اسرائیلی طیارے اور میزائل مسلمانوں پر مسلسل حملے کر رہے ہیں۔ اب تک سیکڑوں جانیں جا کی ہیں اور ہزاروں لوگ زخمی ہو گئے ہیں۔ غزہ کے اسپتالوں اور مردہ گھروں میں لاشوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ اسپتالوں میں زخمیوں کے علاج کی اب گنجائش بھی ختم ہو چکی ہے۔ اعزہ و اقارب کے سامنے ان کے بھائیوں اور جگر پاروں کی لاشیں بے گور وکفن پڑی ہوئی ہیں۔ اسرائیل نے سال بھر سے غذائی اور طبی ناکہ بندی کے شکار غزہ کے مسلمانوں پر ایک سوٹن سے زیادہ بارود برسا دیا ہے اور ظلم ودہشت گردی کا یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ اسرائیلی فضائی حملوں کے شکار عام شہری بن رہے ہیں۔ شیر خوار

بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔۔ عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ بچاؤ کرنے والے ورکر ملبوں کے نیچے دبے لوگوں کو نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ غزہ پر اسرائیلی جارحیت مسلسل جاری ہے۔ اسرائیلی وزیر دفاع ایہود باراک نے فضائی حملے کے بعد اب زمینی کارروائی کی بھی دھمکی دی ہے۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کے اجلاس نے اسرائیلی دہشت گردی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اس کی سخت مذمت کی ہے۔ اجلاس کی صدارت تنظیم کے صدر اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے سربراہِ اعلیٰ حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب نے فرمائی۔ موصوف نے اپنے خطبۂ صدارت میں اسرائیل کی مذمت کرتے ہوئے عرب اور مسلم ممالک کے سربراہوں کی مجرمانہ خاموشی پر بھی اظہار افسوس کیا۔ اور مسلمان شہید فلسطینیوں کے لیے دعائے مغفرت کی۔

جامعہ اشرفیہ کے صدر مفتی حضرت علامہ نظام الدین رضوی صاحب نے فرمایا، مسلم ارباب اقتدار اور عرب ممالک کے سربراہوں کو اسرائیل کے خلاف فوراً ایکشن لینا چاہیے۔ موصوف نے مزید کہا کہ ہمارے ملک ہندستان کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اسرائیلی جارحیت کے خلاف سخت اقدام کرے۔

اس اجلاس میں ممبئی میں ہونے والے دہشت گردانہ حملوں کے خلاف گہرے رنج وغم کے اظہار کے ساتھ حملہ آوروں کی سخت مذمت کی گئی۔ تمام مندوبین نے بالاتفاق یہ تسلیم کیا کہ کثیر مذاہب والے اس ملک میں اب تک کا یہ سب سے بڑا منظم حملہ ہے۔ لہٰذا ہماری حکومت پوری دیانت داری کے ساتھ داخلی و خارجی دہشت گردی کی تحقیقات اور اسباب کا پتہ لگائے اور ملوث افراد کو عبرت ناک سزائیں دے تاکہ ملک میں امن وامان کی فضا برقرار رہے اور لوگ چین وسکون سے زندگی گزار سکیں۔

تنظیم کے جنرل سکریٹری مولانا مبارک حسین مصباحی نے اپنے بیان میں کہا کہ، ہوٹل تاج، اوبرائے اور نریمن ہاؤس وغیرہ پر حملہ دہشت گردوں کے خطرناک عزائم کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اس حملے میں جو جانیں گئیں ہم ان کے وارثین کے غم میں شریک ہیں اور شہید مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اس دہشت گردانہ حملے کے لیے مرکزی حکومت اور مہاراشٹر حکومت بھی کسی قدر ذمہ دار ہیں جن کی خفیہ ایجنسیوں کی لاپروائیوں سے اتنا بڑا حادثہ وقوع پذیر ہوا اور ملک کے سیکولر اور انصاف پسند اے ٹی ایس کے سربراہ ہیمنت کرکرے کو اپنی جان کی قربانی دینی پڑی۔ حکومت پڑوسی ملک پاکستان پر دباؤ بنائے کہ وہ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے ہندستان کے ساتھ کھڑا ہو۔ مولانا نے ممبئی حملوں کے تعلق سے کہا کہ اس کی غیر جانب دارانہ اور منصفانہ تحقیق ہونا چاہیے۔ مزید انھوں نے یہ بھی کہا کہ وسط جنوری کے بعد جب امریکی صدارت کی کرسی کے مسٹر اوباما مکمل طور سے مالک ہو جائیں گے تو انھیں بھی بہت سے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑے گا، جن میں سرفہرست دہشت گردی کا مسئلہ ہوگا لہٰذا انھیں انصاف پسندی کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہوگی تاکہ امریکہ کی بگڑی ہوئی شبیہ درست ہو سکے اور عراق کی طرح پھر کوئی ملک امریکہ کی زیادتی کا شکار نہ بنے۔ مسئلۂ فلسطین کے تعلق سے بھی انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اب اسرائیل کی ظلم وزیادتی حد سے زیادہ بڑھ چکی ہے اور امریکہ و دیگر یورپی ملکوں کی خاموشی ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے حد درجہ تکلیف دہ ہے۔ ان حالات میں اقوام متحدہ کا تماشائی بنے رہنا بھی اسرائیلیوں کے حوصلے کو تقویت دے رہا ہے۔

مفتی محمد معراج القادری مصباحی نے بھی ممبئی سانحہ پر گہرے رنج کا اظہار کرتے ہوئے پرزور الفاظ میں اس کی مذمت کی۔ انھوں نے کہا کہ اس سانحے پر سیاسی لوگ اپنی دُکانیں چمکانے کے بجائے مناسب عملی اقدام کریں۔ بیان بازی مسائل کا حل نہیں بلکہ لائحۂ عمل کی ضرورت ہے۔ سابق اے ٹی ایس چیف رگھوونشی کو دوبارہ اس عہدے پر نامزد کیے جانے پر بھی انھوں نے اپنی تشویش ظاہر کی۔

اجلاس میں بڑی تعداد میں علما اور دانش وروں نے شرکت کی۔ چند نام یہ ہیں: علامہ محمد احمد مصباحی، علامہ عبد الشکور مصباحی، مولانا نصیر الدین عزیزی، مولانا اختر کمال قادری، مفتی بدر عالم، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الوریٰ قادری، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا حبیب اختر مصباحی، مولانا ہارون احمد مصباحی، مولانا نثار احمد مصباحی، مولانا محمد محبوب عزیزی، مولانا ناصر حسین مصباحی، ماسٹر مہتاب پیامی مولانا نور احمد مصباحی، مولانا غلام نبی مصباحی وغیرہ۔ از: **شکیل احمد مصباحی**، نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ

R.N.I. No. 29292/76 Regd. No.: AZM/N.P.28

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur, Azamgarh (U.P.) - 276404 (INDIA) Phone: (05462) 250092, 250149, Fax: 251448

http://www.aljamiatulashrafia.org E-mail: info@aljamiatulashrafia.org

